ماہنامہ
چاس
کسان، مزدور عورتوں اور مردوں کی آواز
صرف ممبران کے لیے
ساؤتھ ایشیاء پارٹنر شپ، پاکستان | جلد 10 • شمارہ 10 • ھاڑ • جون 2013ء

زمینی اصلاحات کو غیر شرعی قرار دینے کے شریعت بنچ کے فیصلہ کا ازسرنو جائزہ لیا جائے۔ شرکاء کا مطالبہ

یہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے کہ جو زمین کاشت کرتا ہے وہ اس کا مالک نہیں۔ عرفان مفتی، زرعی اصلاحات کا نفاذ عمل میں لایا جائے۔ عابد حسن منٹو

رپورٹ: شبنم رشید، یاسمین فرخ

پاکستانی غریب کسانوں، زرعی مزدوروں اور ان کا درد محسوس کرنے والے باشعور شہریوں کی طرف سے عابد حسن منٹو کی قیادت میں سپریم کورٹ میں کئی سال پہلے ایک پٹیشن دائر کی گئی تھی جس میں زمین کی حق ملکیت کے خلاف عدالتی حکم نامے کا ازسرنو جائزہ لینے کی درخواست کی گئی تھی۔ سال ہا سال انتظار کے بعد اب آنے والے دنوں میں عدالت میں اس کیس کی شنوائی ہے۔ اسی تناظر میں کاشت کار بہنوں اور بھائیوں کی آواز کے ساتھ اپنی آواز کو جوڑتے ہوئے ساؤتھ ایشیاء پارٹنر شپ پاکستان نے کراچی، حیدر آباد، لاہور اور اسلام آباد میں کسان فورمز کا انعقاد کیا۔ جس کا موضوع تھا "زرعی اصلاحات، غریب کسان کی خوشحالی"۔ لاہور میں یہ فورم 19 جون 2013 کو منعقد کیا گیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ ہم سب مل کر کسانوں اور زرعی مزدوروں کی آواز ایوان بالا تک پہنچائیں۔ اور انہیں یہ باور کرائیں کہ زمین کی عدم مرکزیت کے بغیر جمہوری گورننس کا تصور ادھورا ہے اور اس کے بغیر پاکستان کی سیاست میں مثبت و تعمیری تبدیلی بھی نہیں آسکتی۔ فورم کا آغاز کرتے ہوئے ساؤتھ ایشیاء پارٹنر شپ پاکستان کی مینیجر ایڈووکیسی ذکیہ ارشد نے شرکاء اور مقررین کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ مختلف ادوار میں حکومتوں نے زرعی اصلاحات تو کیں لیکن کسانوں اور زرعی مزدوروں کو اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ مسائل روز بروز بڑھتے چلے گئے۔ کیونکہ ان اصلاحات کا نفاذ ہی عمل میں نہیں لایا گیا۔ اس فورم کے انعقاد کا مقصد کسانوں، زرعی مزدوروں اور سول سوسائٹی کی آواز کو ایوانوں تک پہنچانا ہے۔ جس کے بعد ذکیہ ارشد نے ایڈووکیٹ عابد حسن منٹو کو دعوت دی کہ وہ اس مسئلے پر اظہار خیال کریں۔ انہوں نے اپنی بات کرتے ہوئے کہا کہ " کہ غریب کسانوں اور زرعی مزدوروں کی زندگیوں کو معاشی اور سماجی پہلوؤں سے دیکھیں تو وہ ہمیں مسائل کے انبار تلے نظر آئے گا۔ معاشی پہلو سے وہ اپنی دو وقت کی روٹی کے لئے زمین کے مالک کا دست نگر ہے۔ جس کی زمین پر وہ سارا سارا سال محنت کرتا ہے تب جا کر اسے بمشکل دو وقت کی روٹی میسر آتی ہے، سماجی حوالے سے دیہی عورتوں کا استحصال کرتیں رسمیں و روایات، جرگہ اور پنچائیتیں۔ دیہات کا سماج تمام تر جاگیرداری نظام کے ارد گرد گھومتا ہے یہی نظام آبادی کی اکثریت کو کنٹرول کرتا ہے نہ صرف دیہات میں بلکہ شہروں میں بھی، کیونکہ یہی جاگیردار اسمبلیوں میں عرصہ دراز سے براجمان ہیں جو انگریزوں کی پیداوار ہیں "۔ منٹو صاحب نے 1950 سے 1977 تک کی زرعی اصلاحات کا تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے وفاقی شرعی عدالت کے 1999 کے فیصلے پر روشنی ڈالی جس کے بعد پاکستان میں مزید زرعی اصلاحات بند ہو گئیں۔ انہوں نے بتایا کہ 2011 میں ہم نے اسی فیصلے کے خلاف اپیل دائر کی تھی جس کی اب شنوائی ہونے جا رہی ہے۔ جس میں ہمارا موقف ہے کہ جاگیرداری نظام کی موجودگی میں جمہوریت کبھی مستحکم نہیں ہو سکے گی۔ ہم چاہتے ہیں کہ شریعت کورٹ کے فیصلے کو کالعدم قرار دیا جائے اور زرعی اصلاحات کا دوبارہ نفاذ عمل میں لایا جائے۔ عابد حسن منٹو نے کہا کہ یہ معاملات عدالتوں کے نہیں بلکہ یہ سیاسی جدوجہد سے تعلق رکھتے ہیں۔ کسانوں مزدوروں کو اکٹھے ہونے اور اپنے حقوق کے لئے مشترکہ آواز اٹھانے کی ضرورت ہے "۔ سیپ پاکستان کے ڈپٹی ڈائریکٹر عرفان مفتی نے مسعور کھدر پوش کے اس بیان کا حوالہ دیا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ جاگیردار کبھی بھی کسان کا ہمدرد و خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے کہا کہ " آج ان کی بات سچ ثابت ہو رہی ہے۔ ہم نے اپنی زراعت بھی تباہ کی اور کسان کو بھی اس حال میں پہنچایا کہ وہ اپنے مستقبل سے مایوس ہو چکا ہے۔ انہوں نے کہا کہ 1999 کے بعد سے زراعت انتہائی زبوں حالی کا شکار ہے۔ اب ہمیں یہ بات کرنی چاہئے کہ شریعت کورٹ کے پاس یہ اختیار ہی نہیں کہ وہ عوامی مفاد کے کسی مقدمے کا فیصلہ سنائے۔ ہمیں یہ بات بھی کرنی چاہئے کہ یہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے کہ جو زمین کاشت کرتا ہے وہ اس کا مالک نہیں۔ یہاں میں تجویز دیتا ہوں کہ ایک ایسا لینڈ رائٹ کمشن تشکیل دیا جائے جس میں کسانوں کی نمائندگی ہو اور جو انسانی حقوق اور کسانوں کے حقوق کی بات کرے۔ ہم اس فورم کے توسط سے شریعت کورٹ کی حیثیت کو بھی چیلنج کرتے ہیں۔ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ کیا ہم یہ معاملات صرف عدالتوں، چند دانشوروں یا چند مذہبی سکالروں پر چھوڑ دیں یا پھر ہم انہیں اپنی جدوجہد کے ساتھ جوڑیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ان زمینوں کے مالک اصل میں وہ ہیں جو ان کو آباد کرتے ہیں اور ان کی آب یاری کرتے ہیں۔ ہم اپنے کسانوں کے حقوق اور زرعی اصلاحات کے نفاذ کے مطالبے کی جدوجہد کرتے رہیں گے کیونکہ اس کے بغیر نہ زراعت، نہ ہی معاشرہ اور شاید نہ ہی پاکستان چل سکتا ہے "۔ چیچہ وطنی سے کسان عورت بشریٰ بانو نے فورم میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ " میرے علاقے میں انتہائی غربت ہے کسان عورت کو نہ تو وقت پر اجرت ملتی ہے اور نہ ہی مردوں کے برابر۔ ڈی اے پی کھاد کے استعمال سے ہماری زمینیں بنجر ہو رہی ہیں۔ نہری پانی ناکافی ہوتا جا رہا ہے۔ ان مسائل کا حل زرعی اصلاحات سے ہی ممکن ہے "۔ ننکانہ صاحب سے لوک وہار ڈیویلپمنٹ کے گرمیت سنگھ نے زراعت میں عورت کے کردار اور دیہی عورت کی زندگی کے کئی پہلوؤں پر بات کی۔ انہوں نے کہا کہ " دیہات میں عورت کے حوالے سے ایک مائنڈ سیٹ موجود ہے کہ یہ کم عقل ہے اور دوسرے درجے کی شہری ہے جب کہ میرے نزدیک عورت ذہین اور محنتی ہے جو بیک وقت کئی کام انجام دے رہی ہوتی ہے۔ دراصل ہمیں سماجی اور سیاسی شعور کی ضرورت ہے اس کے بغیر ہم عورتوں کے حوالے سے اپنی سوچ اور رویے نہیں بدل سکیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں ہمارے حقوق کا علم ہونا چاہئے اور اپنے مطالبات حکومت کے سامنے رکھنے چاہئیں " غریب کسان تحریک سے اعجاز عمران نے کہا کہ " کسانوں کے حقوق اور زرعی اصلاحات کا فیصلہ پارلیمنٹ میں تو نہیں ہو سکتا کیونکہ وہاں جاگیرداروں کی اکثریت بیٹھی ہوئی ہے۔ لہٰذا اب ہماری تمام امیدیں منٹو صاحب کی پٹیشن پر ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ پٹیشن 92 فیصد کسانوں کی آواز بنے گی"۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ سے کسانوں کے نمائندے غلام محمد گنجیرہ نے کسانوں کے حقوق کے لئے شروع کی گئی تحریکوں کی تاریخ پیش کرتے ہوئے کہا کہ "ہماری نظریں اب اس نو رکنی بنچ پر ہیں جو منٹو صاحب کی پٹیشن کا جائزہ لے گا لیکن اس کاوش کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ وہ دن ضرور آئے گا جب اس ملک کے فیصلے کسان مزدور کریں گے۔ جاگیرداری نظام کا خاتمہ ہو گا۔ جس کی وجہ سے اس ملک کی بڑی آبادی انتہائی غربت کا شکار ہے"۔

فورم میں متفقہ طور پر منظور کی جانے والی قرارداد کے اہم نکات شبنم رشید نے پیش کئے جو درج ذیل ہیں:

۱۔ تمام سیاسی جماعتیں سنجیدگی سے زمینی اصلاحات کے ایجنڈے پر کسانوں، زرعی مزدوروں کے ساتھ نہ صرف کھڑے ہوں بلکہ اسمبلیوں میں ضروری قانون سازی کی بھی پیش رفت کریں؛ ۲۔ سپریم کورٹ کے شریعت بنچ کے اُس فیصلہ کو فوری طور پر ختم کیا جائے جس کے تحت زمینی اصلاحات کو غیر شرعی قرار دیا گیا تھا؛ ۳۔ زرعی زمین کی حدِ ملکیت: نہری زمین کے رقبہ کی حد 150 ایکڑ اور بارانی (غیر نہری) رقبہ کی حد 100 ایکڑ مقرر کی جائے اور اس سے متعلق ضروری قانون سازی فوری طور پر کی جائے اور اس پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے؛ ۴۔ زمین کی تقسیم کے وقت کسان خواتین کو ترجیح دی جائے اور اُن تمام معاشی و سماجی پہلوؤں، ثقافتی و معاشرتی رسومات جن کی وجہ سے خواتین کے ساتھ امتیازی برتاؤ روا رکھا جاتا ہے کو بھی غیر قانی مانا جائے؛ ۵۔ مزید برآں خواتین کو کسان کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے نہ کہ ان کی مرد کسانوں کے معاون کی حیثیت ہی برقرار رکھی جائے؛ ٦۔ بڑے زمینداروں سے حاصل شدہ زمین کی ملکیت قانونی تقاضہ پورے کرتے ہوئے اُن کاشتکاروں کو دی جائے جو عرصہ دراز سے اُس پر کاشت کر رہے ہیں؛
٦۔ جبری زرعی مزدوری اور نجی جیلوں میں جبری طور پر قید کرنے جیسے جرائم کو ریاست کے خلاف جرم مانتے ہوئے سخت سے سخت سزا دی جائے؛
۷۔ بے زمین ہاری کو کم از کم 10 ایکڑ زمین دی جائے اور اس کی قانونی ملکیت میاں بیوی دونوں کے نام رکھی جائے؛ ۸۔ زرعی زمین خواہ وہ ملٹری فارمز کے لیے دی گئی ہو، یا فوجی یا سول نوکر شاہی کو یا کسی دیگر حکومتی یا غیر حکومتی ادارے کو سے فوری طور پر واپس لیتے ہوئے اسے بے زمین غریب ہاریوں کے نام کیا جائے؛ ۹۔ پارلیمنٹ قانون سازی کے ذریعے زمینی اصلاحات ممکن بنائے اور ساتھ ہی ساتھ کسانوں کو یونین سازی، حقوق کا حصول اور بڑھاپا الاؤنس جیسے حقوق دیے جائیں۔
۱۰۔ لینڈ رائٹس کمیشن کا قیام فوری طور عمل میں لایا جائے جو زرعی زمین کے رقبہ کی حد بندی اور ضروری پالیسی وضع کرے اور اسے پارلیمنٹ سے منظور کروائے۔ ۱۱۔ کسان و کھیت مزدور کے بچوں کے حقوق کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لیے ریاستی کردار کو ازسرِ نو ترتیب دینے کی ضرورت ہے؛ ۱۲۔ کارپوریٹ فارمنگ کا ازسرنو جائزہ لیا جائے اور اسے غذائی تحفظ اور لیبر قوانین کے تابع کیا جائے اور زمین کی حد مقرر کی جائے مزید برآں جو زمین کارپوریٹ فارمنگ کے لیے مختص کی گئی ہے اُسے بے زمین کسانوں، ہاریوں/مزارعوں میں تقسیم کیا جائے۔ ۱۳۔ زیرِ زمین اور نہری پانی کی حفاظت کے لیے اسے قانونی ضوابط کے تحت کیا جائے تاکہ اس کی حفاظت ہو سکے اور اس کا منصفانہ استعمال بھی ممکن ہو؛

اداریہ

پاکستان میں اذیت رسانی کے خلاف کوئی قانون کیوں نہیں؟

26 جون کو ٹارچر سے متاثرہ افراد کے ساتھ اظہارِ یکجہتی کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ پاکستان میں ٹارچر کے خلاف کوئی قانون موجود نہیں۔ آئین میں ٹارچر کی ممانعت کے باوجود پولیس اور قانون نافذ کرنے والے ادارے ملک کے تقریبا ہر شہر میں ٹارچر اور حراستی سیل چلا رہے ہیں جہاں لوگوں کو حراست میں رکھا جاتا ہے۔ افراد کا زبردستی لاپتہ ہونا، غیر قانونی حراست، ٹارچر، ماورائے عدالت اور زیرِ حراست قتل ملک میں کثرت سے ہو رہے ہیں۔ انسانی حقوق کمشن کی فیکٹ فائنڈنگ ٹیم نے گزشتہ دنوں کوئٹہ اور زیارت کا دورہ کرنے کے بعد میڈیا کے سامنے جو رپورٹ پیش کی ہے اس میں بلوچستان میں امن و امان کی صورت حال کو انتہائی مایوس کن قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ وہاں سیکورٹی اور خفیہ اداروں کی پالیسی میں تبدیلی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے کیونکہ اذیت رسانی اور ماورائے عدالت ہلاکتوں اور گمشدگیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ کمشن نے انتباہ کیا ہے کہ اگر سیکورٹی اور خفیہ اداروں نے اپنی جابرانہ پالیسیاں نہ روکیں تو جمہوری عمل کو شدید نقصان پہنچ سکتا ہے۔ لہذا وہ آئین اور قانون کے دائرے میں رہ کر کام کریں۔ سول سوسائٹی کی تنظیمیں بھی اس دن کے موقع پر حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کرتی ہیں کہ وہ ٹارچر کو ایک جرم قرار دے کر فوری طور پر قانون پاس کرے اور اِس بات کو یقینی بنائے کہ اِس قانون کو سختی سے نافذ کیا جائے گا۔ تمام قانون نافذ کرنے والے ادارے جو کسی شک کی بنا پر یا قومی سلامتی کے نام پر لوگوں کو اُٹھانے اور ٹارچر کرنے میں ملوث ہوں، اُن کا احتساب کیا جائے۔ حکومت اُن تمام لوگوں کو رہا کرائے جو لاپتہ ہیں۔ پاکستان میں ٹارچر کے کیسوں کی تحقیقات کے لیے کوئی آزادانہ تحقیقاتی طریقہ کار موجود نہیں۔ سول سوسائٹی ٹارچر کے کیسوں کی تحقیقات کرنے کے لیے ایک آزاد اور خودمختار ادارہ قائم کرنے کا بھی مطالبہ کرتی ہے۔۔ حکومتِ پاکستان نے اقوام متحدہ کے معاہدہ ٹارچر اور ظالمانہ، غیر انسانی، تحقیر آمیز سلوک کی سزاؤں کے خلاف جون 2010 میں توثیق کی ہے۔ اسے چاہیے کہ اِن معاہدوں کا احترام کرے اور ٹارچر کو روکنے کا قانون نافذ کرنے کے ساتھ ساتھ عالمی معاہدہ بخلاف ٹارچر کے آپشنل پروٹوکول کی بھی توثیق کرے۔

زمینی اصلاحات

غریب کسان کی خوشحالی

تحریر: شبنم رشید

ہم سب جانتے ہیں کہ پاکستان کے دیہی مزدوروں، کسانوں، چھوٹے کاشتکاروں اور خواتین ہمارے ملک کی اکثریتی آبادی ہیں۔ جن کی روٹی اور روزگار زمین اور زراعت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ کسانوں کی مخدوش صورتحال کا ایک شرمناک پہلو یہ ہے کہ پوری دنیا کو خوراک مہیا کرنے والی آبادی کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ ان کے پاس اپنے آپ کو اور خاندانوں کو کھلانے کے لیے انتہائی کم وسائل میسر ہیں۔ دیہی علاقہ جات میں بھوک کوئی نیا مظہر نہیں ہے۔ کھیتوں، زرعی زمینوں اور گلہ کی پیدوار کے بنیادی پروسیسنگ یونٹس میں کام کرنے والے سبھی افراد زرعی مزدوروں کے زمرے میں آتے ہیں۔ یہ سب لوگ نقد یا اناج کے عوض کام کرتے ہیں مگر کام کے دوران استعمال ہونے والی زمین ان کی ملکیت نہیں ہوتی۔ ان کے ہاں غربت اپنے ڈیرے ڈالے بیٹھی ہے۔ ان کے ہاں بیمار کا علاج کروانے کی استطاعت نہیں۔ ان کے بچے بالخصوص بیٹیاں تعلیم کے اخراجات نہ ہونے کی وجہ سے تعلیم سے محروم رہ جاتی ہیں۔ ان کے بچوں کی مہارتوں پر مبنی تربیت کے مواقعوں کی کمی اور اس جیسے لاتعداد مسائل انہیں زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہنے اور جبری مشقت کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ غریب کسانوں کے لیے زمین حقِ معاش کا بنیادی ذریعہ ہے جس سے سماجی و معاشی خوشحالی کا تصور جڑا ہوا ہے۔ عرصہ دراز پہلے سے لگایا گیا نعرہ " جیہڑا واہے اوہی کھاوے "سننے میں آرہا ہے مگر کسی بھی قسم کی پیش رفت نہیں ہوسکی۔ زمینی اصلاحات، کسان پالیسی عدم مرکزیت اور غربت میں کمی کی حکمتِ عملی آپس میں مربوط ہونی چاہیے مگر افسوس پاکستان دنیا کے اُن چند ممالک میں سے ایک ہے جو معاشی خوشحالی اور سیاسی بلوغت کے تصور کو زمینی اصلاحات کے بغیر ہی چلا رہے ہیں۔ جبکہ زمینی اصلاحات کی وجہ سے افریکن ممالک میں مصر، مڈل ایسٹ میں ترکی، ساؤتھ ایشیاء میں انڈیا اور ساؤتھ کوریا جیسے کئی ممالک دیہی طاقت کو غریب کسان اور هاریوں کی طرف موڑتے ہوئے هاریوں کی زندگی میں بہتری لائے ہیں۔ پاکستان میں بے زمین اور چھوٹی ملکیت کے کاشتکاروں اور مزارعین کی اپنی زمین کی ملکیت کے حق کی جدوجہد کی ایک طویل تاریخ ہے جن میں زیادہ تر مزارعین ریاستی زمینوں یا بڑے جاگیرداروں کی زمینوں پر محنت کرتے ہیں مگر حقِ ملکیت سے محروم ہیں۔ سماجی تنظیمیں اور دیگر ادارے اس جدوجہد میں ان کے ساتھ شامل ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ غریب اور بے زمین کسانوں کے لیے زمین حقِ معاش کا بنیادی ذریعہ ہے جس سے سماجی ومعاشی خوشحالی کا تصور جڑا ہوا ہے۔ ان کی اس صورتِ حال میں مزید ابتری کا باعث زمین اور زراعت کی صورتِ حال میں دن بدن بڑھتی ہوئی خرابی ہے۔ زمین بنجر ہوتی جارہی ہے اور اسے سیم تھور اور دیگر کئی بیماریاں لگ چکی ہیں اور کاشت کا رقبہ مسلسل گھٹتا جارہا ہے۔ زرعی پیداوار کے لیے اخراجات مسلسل بڑھتے جارہے ہیں اور آمدنی کم ہوتی جارہی ہے۔ نتیجتاً چھوٹے کاشتکار کے لیے زراعت گھاٹے کا سودا بن گئی ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ آج تک حکومتی سطح پر زمین اور زراعت کے لیے جتنی بھی اصلاحات کی گئیں وہ سب نیم دلانہ کوششیں تھیں۔ لهذا ناکافی رہیں۔ پاکستان میں گزشتہ ایک صدی کے ایک چوتھائی عرصے سے اراضی اور زرعی اصلاحات کا مسئلہ نظر انداز کیا گیا ہے جبکہ زمینی اصلاحات کے ذریعے:

1۔ دیہات کے دولت مند افراد سے طاقت لے کر غریب کسان و هاری کو دینے سے جدید نہج کی سیاست کا بیج بویا جاتا ہے تاکہ معاشرے میں برابری کی بنیادوں پر سیاست میں شرکت اور مخالفانہ نکتہ نظر کو برداشت کرنے کا رواج ترغیب پاسکے؛

2۔ جب زمینی حقوق غریب کسان، هاری /مزارعوں کو دیے جاتے ہیں تو اس سے فی ایکٹر زرعی مداخل میں اضافہ ممکن ہوتا ہے جس سے پیداوار میں اضافہ بھی ہوتا ہے جبکہ زمینی اصلاحات کی عدم موجودگی میں پیداوار میں کمی ہوتی ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ زیادہ تر بڑی زمینداری سے منسلک افراد خود یا تو بڑے شہروں میں رہتے ہیں یا باہر کے ممالک میں۔ صرف غریب کسان موجود ہوتا ہے جس کے پاس نہ تو مالی وسائل اتنے ہوتے ہیں کہ وہ فی ایکڑ پیداوادر میں اضافہ کے لیے زرعی مداخل میں اضافہ کرسکے اور نہ ہی جدید مشینری خریدنے کی استطاعت کہ جس کی مدد سے پیداوار میں اضافہ ممکن بنا سکے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ایسا سب کرنے سے اُسے کوئی فائدہ بھی نہیں دکھتا۔ اگر زمینی اصلاحات کے ذریعے زمین کی ملکیت غریب کسان یا مزارعہ کو دے دی جائے تو وہ اپنی اہلیت میں بھی اضافہ کرے گا اور پیداوار میں اضافہ بھی۔ کیونکہ اب وہ مارکیٹ سے آزادانہ طور پر بغیر کسی محتاجی کے زرعی مداخل جیسے بیج کھاد، کیڑے مار ادویات اور ٹیوب ویل کا پانی وقت پر حاصل کرسکتا ہے؛

3۔ زرعی آمدنی و پیداوار میں بھی تناسب آئے گا کیونکہ غریب کسان اپنی رقم شہروں کی بجائے گاؤں میں ہی لگائے گا جس سے زرعی انڈسٹری کے پنپنے کا بھی ماحول بنے گا؛

4۔ دیہاتوں میں بسنے والے تقریباً آدھے گھر والوں کے پاس کسی بھی قسم کی کوئی زمین نہیں ہے جب کہ دوسری طرف صرف 5 امیر ترین افراد ایسے ہیں جو قابل کاشت زمین کا 1/3 کے مالک ہیں اس غیر منصفانہ تقسیم کو بھی زمینی اصلاحات سے ختم کیا جاسکتا ہے؛

5۔ دیہی عورت مردوں کی نسبت زیادہ وقت کھیتوں میں کام کرتی ہے مگر اُس کی اجرت بہت کم ہے اور اُسے بہت سی مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے، زمینی اصلاحات کی مدد سے اس کی حیثیت میں بہتر لائی جاسکتی ہے؛

6۔ پاکستان میں زمینی اصلاحات کی مدد سے ملک میں دن بدن بڑھتے ہوئے سیاسی، سماجی اور معاشرتی ناسور جو غربت کی وجہ سے بڑھے اور مزید خراب ہوسکتے ہیں، میں بھی بہتری لائی جاسکتی ہے؛ یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان میں زمینی اصلاحات کے ایجنڈے کو سنجیدگی سے لیا ہی نہیں گیا 1977 1972, 1959, میں زمینی اصلاحات کا آغاز کیا گیا۔ مگر بدقسمتی سے 1989 میں ضیاء الحق کے آمرانہ دورِ حکومت میں وفاقی شرعی عدالت نے اسے غیر اسلامی قرار دے دیا۔ مختصراً یہ کہ اس طرح کی کوششوں نے دیہی علاقوں میں زمین کی تقسیمِ نو کے بہت کم اثرات مرتب کیے: بے زمین هاریوں کی ایک بڑی تعداد کے باوجود 1972 کی اصلاحات کے تحت جو 39فیصد رقبہ واپس لیا گیا تھا وہ ابھی تک ریاست کی ملکیت ہے۔ 1972 کے بعد مزید اصلاحات کے خوف سے بڑے بڑے زمینددادوں نے شہروں کی طرف رخ کرنا شروع کردیا اور کاروبار، صنعت سازی میں سرمایہ کاری شروع کردی۔ پاکستان میں کل قابلِ کاشت رقبہ کے 88فیصد پر چھوٹے کسان کاشت کرتے ہیں جبکہ ان کا گزر بسر بمشکل ہوتا ہے۔ 1972 سے اب تک کاشت کاری کے لیے رقبہ میں بتدریج کمی آرہی ہے۔ صرف پنجاب میں انداز 4`ملین رقبہ بنجر ہوچکا ہے۔ تخفیف غربت کی حکمتِ عملی کی بہت سی حالیہ دستاویزات میں بھی اس مسئلے پر مناسب طور پر بات نہیں کی گئی۔ صرف پی آر ایس پی کی بنیادی دستاویز میں ریاستی زمین کی چھوٹے کسانوں میں تقسیم کو تیز کرنے کی ضرورت کا ذکر موجود ہے۔ پاکستان میں زمین کا مسئلہ ہمہ جہت اور پیچیدہ ہے جو ایک جامع اور مربوط حل کا متقاضی ہے۔ ہم کسانوں، زرعی مزدوروں اور سول سوسائٹی کے نمائندے سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں زمینی اصلاحات کا مسئلہ حل کرنا اتنا آسان نہیں کیونکہ زمیندار وڈیرہ شاہی سیاسی ومعاشرتی طاقت کے سرچشمے پر قابض ہیں۔ پاکستان میں زمین طاقت کے حصول، سرمایہ کاری اور سیاسی و معاشی حیثیت کو مضبوط بنانے کا ایک ذریعہ ہے جبکہ عدلیہ اور سول و فوجی نوکر شاہی دیہی و شہری زمینوں پر قبضہ کر رہی ہے۔ چنانچہ زمین کی وہ حقیقی حیثیت کہ یہ خاندان کی کفالت، سماجی اور انسانی عزت اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ ذریعہ معاش ہے اب ختم ہوچکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمین سے متعلق تمام مسائل مثلاً اس کی منصفانہ تقسیم، مزارعین کے حقوق نیز زمین کا پائیدار استعمال وغیرہ مکمل طور پر نظر انداز کردیے گئے ہیں۔ بقیہ (صفحہ 3)

’’مقامی حکومتوں کے انتخابات 2013ء اہمیت، امکانات، خدشات ولائحہ عمل‘‘

ملتان میں ساؤتھ ایشیاء پارٹنرشپ پاکستان کے زیراہتمام سول سوسائٹی کے مابین مباحثہ

تحریر: شہبیہ طاہر

بلدیاتی نظام دراصل ترقی یافتہ جمہوری ممالک کی طرف سے عوامی مسائل کے فوری حل کے لئے تشکیل دیا گیا نظام ہے۔تاہم پاکستان میں اس نظام کوفوجی حکمرانوں نے اپنے اقتدار کوقائم رکھنے اور اپنی مرضی کے نمائندے مسلط کرنے کے لئے استعمال کیا جیسے کہ جنرل ایوب خان نے 1959ءاور جنرل ضیاء الحق نے 1979ءاور جنرل پرویز مشرف نے 2000 میں بلدیاتی نظام متعارف کروائے۔جنرل پرویز مشرف نے اگرچہ ضلعی حکومتوں کے نظام کے ذریعے ناظمین اور نائب ناظمین کو اختیارات منتقل کئے تھے تاہم وہ بیورو کریسی کی طاقت کو بالکل نظر انداز کر گئے۔جس نے اس نظام کو حقیقی مقاصد کے حصول میں قطعی ناکام بنا دیا۔بلدیاتی نظام نہ صرف نچلی سطح تک لوگوں کو اختیارات کی منتقلی کا بہترین طریقہ ہے بلکہ یہ مسائل کے فوری حل ،نئی سیاسی قیادت کو سامنے لانے ،حکومتی فیصلوں میں عوامی شمولیت اور فوری انصاف کی فراہمی کا سبب بنتا ہے۔ساؤتھ ایشیاء پارٹنرشپ پاکستان کے زیرِ اہتمام مباحثہ بعنوان مقامی حکومتوں کے انتخابات’’ اہمیت، امکانات، خدشات ولائحہ عمل‘‘ کاانعقادمورخہ 10 جون 2013ء ساؤتھ ایشیاء پارٹنرشپ پاکستان کے ریجنل آفس واقع گارڈن ٹاؤن میں کیا گیا۔جس میں وکلاء،سماجی تنظیموں اور میڈیا سے اہم نمائندگان نے خصوصی طور پر شرکت کی۔تقریب کے آغاز میں نعمان نصیر(پروگرام آفیسر ساؤتھ ایشیاء پارٹنرشپ پاکستان) نے تمام شرکاء کوخوش آمدید کہااور تعارفی نشست قائم کی۔تعارف کے بعد انہوں نے گفتگو کا آغازان الفاظ کے ساتھ کیا کہ’’ پچھلے کچھ سالوں میں مقامی حکومتی نظام موجود ہی نہیں ہے۔ایک دوسال جوگزشتہ دورِحکومت میں رہاوہ بھی غیر فعال ہی رہا ہے۔اب جبکہ نئی حکومت آ چکی ہے تو ان حکمرانوں کاوعدہ ہے کہ وہ آئین کی شق 140-A کے تحت 6 ماہ کے اندر انتخابات کروائیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ اختیارات کی منتقلی بھی کر دی جائے گی۔ساؤتھ ایشیاء پارٹنرشپ پاکستان پچھلی اڑھائی دہائیوں سے اس جدوجہد میں ہے کہ پاکستان میں ایک مضبوط، مستحکم جمہوری نظام قائم ہوتا کہ اچھی طرز حکمرانی سے عام آدمی استفادہ کرسکے۔آج آپ سب کو بلانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ ہم اس بارے میں اپنا نکتہءنظر واضح کریں اور حکومت پر بلدیاتی انتخابات وقت پر کرانے کے لئے دباؤ ڈالیں "۔ساؤتھ ایشیاء پارٹنرشپ پاکستان کے ڈپٹی ڈائریکٹر عرفان مفتی نے کہا کہ بلدیاتی نظام جمہوری طرزِ عمل کی بنیاد ہوتا ہے اور اس کے ذریعے ہی عوامی مسائل کا فوری اور پائیدار حل ممکن ہوتا ہے۔لیکن بدقسمتی سے ہمارے سیاستدان جمہوریت کا راگ الاپتے رہنے کے باوجود عوامی مسائل کے حل کی اس بنیادی اکائی کو نظر انداز کرتے رہے ہیں۔ان کی اکثریت بلدیاتی نظام کو اپنے سیاسی مفادات کے تحفظ اور اپنے آمرانہ فیصلوں کو عوام پرتھوپنے کے لئے استعمال کرنے پر عمل پیرا ہیں۔بد قسمتی سے سیاسی حکومتیں جب بھی آئیں اس نظام کو ہمیشہ پیچھے ہی دھکیلتی رہیں۔ہم یہ چاہتے ہیں کہ بلدیاتی انتخابات کوممکن بنانے کے لئے قومی سطح پر سول سوسائٹی کے پلیٹ فارم سے ایک مشترکہ جدوجہد کا آغاز کیا جائے جس کی قیادت میں ملتان کی سول سوسائٹی پیش پیش ہواور اس تحریک میں سیپ پاکستان بھی یقیناً اپنا کردارادا کرے گا۔سیاسی حکومتیں موجودہ قومی انتخابات میں لوگوں کے بنیادی مسائل کے حل کے لئے بڑے بڑے وعدے کرتی رہیں لیکن اگر پاکستان کی سیاسی تاریخ پرنظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ سیاسی حکومتیں بھی اختیارات کی مقامی سطح پر منتقلی سے گریزاں رہی۔انہوں نے کبھی بھی مقامی سطح پرلوگوں کے بنیادی مسائل یعنی صحت وصفائی، تعلیم اور بنیادی انفراسٹرکچر کی تعمیر کے لئے مقامی سطح کی لیڈرشپ کوآگے آنے نہیں دیا بلکہ ارکان قومی وصوبائی اسمبلی ہی ان مسائل کے حل کے لئے فنڈز وغیرہ کے حصول کے لئے کوششیں کرتے رہے۔ہمارا خیال ہے کہ یہ ایک غلط روش ہے اور ہمیں مقامی حکومتوں کی اہمیت اور ضرورت کے لئے حکومت پر دباؤ برقرار رکھنا چاہیے۔سول سوسائٹی کا یہ کردار بنتا ہے کہ وہ ہر سطح پر مقامی حکومتوں کے جلد از جلد قیام کا مطالبہ کرے اور اس کے لئے انہیں گزشتہ مقامی سطح کی حکومتوں سے کونسلرز اور ناظمین کے تجربات سے بھی استفادہ کرنا چاہیے۔مقامی حکومتوں کا قیام ہمارا بنیادی آئینی حق ہے اور حکومت کے لئے آئین کے مطابق لازمی ہے کہ وہ 90 دن کے اندر اندر مقامی حکومتوں کے قیام کا اہتمام کرے۔ اسد شاکر(ریجنل پروگرام کوآرڈینیٹر) نے کہا کہ ہمیں منتخب نمائندوں سے مقامی نظامِ حکومت کی بحالی کی بات کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ پارلیمنٹ میں آواز اٹھائیں تاکہ لوگوں کے مسائل کا حل کئے جا سکے اور مقامی قیادت کے ابھرنے کوممکن بنایا جا سکے۔دوسری اہم بات یہ کہ سب سے پہلے موجودہ لوکل گورنمنٹ آرڈیننس کے بارے میں ہمیں مکمل معلومات ہونی چاہیے کہ کیا یہ عوامی مفاد میں ہے یا اس میں اس حوالے سے تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔اس میں کون کون سی خامیاں ہیں اور خاص طور پر ایسی خامیوں کو دور کرنے کی ضرورت ہے جو خواتین کی شرکت سے جڑی ہوئی ہیں۔ارشد نذیر بھٹہ ایڈووکیٹ نے لوکل گورنمنٹ آرڈیننس کا تاریخی خاکہ پیش کیا اور لوکل گورنمنٹ آرڈیننس 1979، 2002، 2012ء کے مسودوں پر بات کی۔انہوں نے لوکل گورنمنٹ آرڈیننس 2002ء کے کچھ مثبت پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ اس میں موجود کچھ خامیوں کی نشان دہی بھی کی۔انہوں نے کہا کہ لوکل گورنمنٹ 2002ء میں خواتین کی اقلیتوں اور مزدوروں کسانوں کے لئے جو نشستیں رکھی گئی تھیں وہ آبادی کے لحاظ سے درست تھیں اور خواتین کی مقامی سطح پر سیاسی عمل میں شرکت کے لئے ضروری تھیں۔لیکن ان نشستوں کو متنازعہ بنا کر ان میں کمی بیشی کی جاتی رہی۔انہوں نے مزید بتایا کہ مقامی انتظامیہ کو جس طرح سے ناظم اور ضلع ناظم کے ماتحت کیا گیا۔اس سے بیورو کریسی ناخوش تھی اور اس نے ایسی ترامیم کو ناکام کرنے کے لئے ہر طرح کے حربے استعمال کئے۔گزشتہ حکومتیں اپنے سیاسی مفادات کا شکار ہو کر مقامی حکومتوں کے قیام میں پس وپیش سے کام لیتی رہی اور نتیجتاً اس سارے نظام کو مقامی انتظامیہ کے ذریعے سے چلایا جاتا رہا۔تقریب میں دیگر شرکاء ظہور، شہباز اور نعمان نصیر نے مقامی حکومتوں کے حوالے سے اپنے اپنے تجربات بیان کئے۔آخر میں مقامی حکومتوں کے قیام کے لئے سول سوسائٹی کے کردار کا تعین کیا گیا اور اس کے لئے مندرجہ ذیل سفارشات بھی مرتب کی گئیں جو درج ذیل ہیں:

1-تمام سول سوسائٹی کے اراکین موجودہ لوکل گورنمنٹ آرڈیننس اور اس کا ترمیمی آرڈیننس مجریہ 2013ء کا مطالعہ کریں گے۔

2-تمام سول سوسائٹی کے اراکین اس قانون پر اپنی اپنی تجاویز 10 دن کے اندر اندر مرتب کریں گے اور اس کے ساتھ ہی سوشل میڈیا اور دیگر تمام ذرائع کو مقامی حکومتوں کے قیام کے حوالے سے استعمال کریں گے۔

3-ان تجاویز کے مرتب ہونے کے بعد اس کے قانونی پہلوؤں پر قانونی ماہرین سے بھی آراء لی جائے گی اور سیپ پاکستان اس پر ایک مفصل تنقیدی جائزہ رپورٹ بھی مرتب کرے گا۔

4- کیونکہ مقامی حکومتوں کے قیام کے لئے آئینی طور پر دی گئی مدت کے حساب سے ہمارے پاس بہت قلیل وقت ہے لہٰذا تمام سول سوسائٹی کا یہ کردار بنتا ہے کہ وہ اپنے اپنے طور پر بھی اپنی سرگرمیوں میں مقامی حکومتوں کے قیام کو ایجنڈے پر رکھے۔

5-سیپ پاکستان ان تمام سرگرمیوں میں اپنا قائدانہ کردار ادا کرتا رہے گا اور تمام سول سوسائٹی کے اراکین کی اس سلسلے میں ہر سطح پر مدد کی جائے گی اور اس کا فالواپ باقاعدہ جاری رہے گا۔

6۔ ورکنگ گروپ لوکل گورنمنٹ بل پر اپنی سفارشات مرتب کرے گا اور جون میں ہی ایک نشست کا انعقاد کیا جائے گا تاکہ مستقبل کا لائحہ عمل تیار کیا جا سکے۔(ورکنگ گروپ میں اسد شاکر، ارشد نذیر، ظہور جوئیہ، محمد جمیل اور شہباز حسین صاحب شامل ہیں)۔

بقیہ: زمینی اصلاحات،غریب کسان کی خوشحالی

زمین سے متعلق ہر قسم کی معلومات (بالخصوص بااثر افراد کو ریاستی زمین کی الاٹمنٹ یا زمین کی حقِ ملکیت) تک رسائی ناممکن ہے، نہ ہی کوئی ایسی آزاد تنظیم یا عوامی تحقیقی ادارہ موجود ہے جو خاص طور پر زمین سے متعلق پالیسی کے معاملات پر کام کررہی ہو۔ان سب کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم کسانوں ،زرعی مزدوروں اور سول سوسائٹی کے نمائندے مطالبہ کرتے ہیں کہ:

- تمام سیاسی جماعتیں سنجیدگی سے زمین کی اصلاحات کے ایجنڈے پر کسانوں، زرعی مزدوروں کے ساتھ نہ صرف کھڑے ہوں بلکہ اسمبلیوں میں ضروری قانون سازی کی بھی پیش رفت کریں؛
- سپریم کورٹ کے شریعت بنچ کے اُس فیصلہ کو فوری طور پر ختم کیا جائے جس کے تحت زمینی اصلاحات کو غیر شریعی قرار دیا گیا تھا؛
- زمین کی تقسیم کے وقت کسان خواتین کو ترجیح دی جائے اور اُن تمام معاشی و سماجی پہلوؤں ،ثقافتی و معاشرتی رسومات جن کی وجہ سے خواتین کے ساتھ امتیازی برتاؤ روا رکھا جاتا ہے کو بھی غیر قانونی مانا جائے؛
- خواتین کو کسان کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے نہ کہ ان کی مرد کسانوں کے معاون کی حیثیت ہی برقرار رکھی جائے ؛
- زرعی زمین کی ملکیت نہری زمین کے رقبہ کی حد 50ایکڑ اور بارانی (غیر نہری) رقبہ کی حد 100ایکڑ مقرر کی جائے اور اس سے متعلق ضروری قانون سازی فوری طور پر کی جائے اور اس پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے؛
- بڑے زمینداروں سے حاصل شدہ زمین کی ملکیت قانونی تقاضہ پورے کرتے ہوئے اُن کاشتکاروں کو دی جائے جو عرصہ دراز سے اُس پر کاشت کررہے ہیں؛
- جبری زرعی مزدوری اور نجی جیلوں میں جبری طور پر قید کرنے جیسے جرائم کو ریاست کے خلاف جرم مانتے ہوئے سخت سے سخت سزا دی جائے؛
- بے زمین ہاری کو کم ازکم 10ایکڑ زمین دی جائے اور اس کی قانونی ملکیت میاں بیوی دونوں کے نام رکھی جائے؛
- س زرعی زمین خواہ وہ ملٹری فارمز کے لیے دی گئی ہو، یا فوجی یا سول نوکر شاہی کو یا کسی دیگر حکومتی ادارے کو، فوری طور پر واپس لیتے ہوئے اسے بے زمین غریب ہاریوں کے نام کردیا جائے؛
- کارپوریٹ فارمنگ کا از سرنو جائزہ لیا جائے اور اسے غذائی تحفظ،لیبر قوانین کے تابع کیا جائے اور زمین کی حد مقرر کی جائے مزید براں جو زمین کارپوریٹ فارمنگ کے لیے مختص کی گئی ہے اُسے بے زمین کسانوں ، ہاریوں /مزارعوں میں تقسیم کیا جائے؛
- زیرِ زمین پانی کی حفاظت کے لیے اسے قانونی ضوابط کے تحت کیا جائے تاکہ اس کی حفاظت ہوسکے اور اس کا منصفانہ استعمال بھی ممکن ہو؛
- جنگلات کی از سرِ نو افزائش کے لیے بااثر افراد کو دی گئی زمین جو جنگلات کے لیے مختص تھی کو فوری طور پر بے زمین کسانوں میں تقسیم کیا جائے؛
- پارلیمنٹ کو قانون سازی کرنی چاہیے تاکہ زمینی اصلاحات ممکن ہوں اور ساتھ ہی ساتھ کسانوں کو یونین سازی ، حقوق کا حصول اور بڑھاپاالاؤنس بھی مل سکے؛
- نئی وزارت برائے غذائی تحفظ اور تحقیق کو زمین سے متعلقہ مسائل کو ترجیح دینی ہوگی۔

ٹارچر کے کیسوں کی تحقیقات کے لیے ایک آزاد اور خودمختار ادارہ قائم کیا جائے

سول سوسائٹی کا مطالبہ

رپورٹ: فرزانہ ممتاز

تھانوں اور جیلوں میں زیرحراست افراد کے ساتھ انتہائی غیرانسانی سلوک قانون کی حکمرانی کے لیے بہت بڑا خطرہ اور چیلنج ہے۔ملزموں سے تفتیش کے لئے ٹارچر کا طریقہ کار عام استعمال کیا جاتا ہے پاکستان میں بعض جگہوں پر پولیس اور سکیورٹی ادارے عوامی مقامات پر بھی ٹارچر کرتے نظر آتے ہیں۔تاکہ لوگوں میں خوف پیدا کیا جاسکے۔اِس ضمن میں یہ بات قابلِ مذمت ہے کہ پاکستان میں روزانہ تھانوں میں زیرِحراست کم ازکم 1300 افراد پر ٹارچر کیا جاتا ہے جوکہ اقبالِ جرم کرانے کا ظالمانہ طریقہ کار ہے۔ 26 جون کو ٹارچر (ایذرسانی) کے خلاف عالمی دن کے موقع پر ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے آڈیٹوریم میں ایک سیمینار منعقد کیا گیا۔جس کا موضوع **"ٹارچر کا خاتمہ: انسانی حقوق کا تحفظ"** تھا۔یہ سیمینار ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان، ساؤتھ ایشیا پارٹنر شپ پاکستان، ایشین ہیومن رائٹس کمیشن، اور اینٹی ٹارچر الائنس پاکستان کے زیرِاہتمام منعقد کیا گیا۔ اِس میں پنجاب، سندھ اور لاہور سے سول سوسائٹی تنظیموں نے شرکت کی۔اِس موقع پر اپنی تقریر میں ہیومن رائٹس کمیشن کے جنرل سیکرٹری آئی اے رحمان نے کہا کہ پاکستان میں ایذ رسانی یا ٹارچر کے بغیر تفتیش اور اقبالِ جرم کا کوئی نظام موجود نہیں ہے جوکہ ہماری ریاست میں انگریز دور کے نوآبادیاتی نظام کے غیرانسانی رویوں کی پیروی اور تسلسل ہے۔کسی بھی شخص کو گرفتار کرتے ہوئے ہتھکڑی لگانا اور اسے چارتھپڑ لگا کر اس کی تذلیل کرنا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔کسی آدمی کو بغیر سزا کے جیل میں رکھنا ٹارچر ہے مگر پاکستان کی جیلیں ایسے کیسز سے بھری پڑی ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم نے ٹارچر کے خلاف کنونشن یعنی کیٹ کی توثیق کی ہے تو یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اس کے پروٹوکول کی بھی توثیق کریں۔یہ پروٹوکول ہراس جگہ کے معائنے سے متعلق ہے جہاں ملزم یا شہری حراست میں رکھے جاتے ہیں، اُنہوں نے کہا کہ انگریز دور کے پینل کوڈ کے تحت سزاؤں اور ایذانسانی کا یہ عمل انسانی حقوق کے منافی ہے اور ہمارے عدالتی ،قانونی اور انتظامی نظام میں راسخ ہوچکا ہے۔اُنھوں نے اِس بات پر زور دیا کہ ہرسطح پر حکومتی اور ریاستی اداروں کو ٹارچر کے خلاف قائل کرنے کے لیے باقاعدہ مہم چلانے کی ضرورت ہے۔اُنھوں نے اِس پر دُکھ کا اظہار کیا کہ جیلوں میں 88 ہزار قیدی ہیں جن میں سے دوتہائی قیدی وہ ہیں جن پر مقدمات چل رہے ہیں۔ اینٹی ٹارچر الائنس، پاکستان کی نمائندہ بشریٰ خالق نے کہا کہ ٹارچر غیر انسانی رویوں کی بنیاد ہے۔اُنھوں نے کہا کہ پاکستانی ریاست بہت سے مسائل اور تنازعات سے دوچار ہے ایسی صورتحال میں انسانی حقوق کی پامالی زیادہ ہورہی ہے جبکہ معاہدہ بخلاف ٹارچر بار بار یہ بتارہا ہے کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اندر ٹارچر غیر قانونی ہے، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ریاستی اداروں کے اہل کاروں کے لیے ٹارچر کرنے کے خلاف کوئی قانون نہیں ہے۔کیٹ کے تحت بھی پاکستان پابند ہے کہ وہ ایسے قوانین بنائے جس کے تحت ٹارچر کا خاتمہ ممکن ہوسکے ۔اِس لیے ہماری ریاست ٹارچر کے خاتمہ کے لیے قانونی، عدالتی اور انتظامی سطح پر قانون سازی کرے۔جیو کے سربراہ خاور نعیم ہاشمی نے بحالی

جمہوریت کے لیے اپنی جدوجہد کی تفصیلات بتائیں اور پاکستان کی مختلف جیلوں میں ٹارچر کی خوفناک صورتحال بیان کی۔اُنھوں نے کہا کہ آمریت کے دور میں سیاسی قیدیوں پر ترقی پسندانہ نظریات رکھنے کی پاداش میں شاہی قلعہ جیسے عقوبت خانہ میں بے تحاشہ ظلم ڈھائے گئے اور ایسے ایسے ٹارچر کیے گئے کہ جن کے سامنے انسانیت کا سر شرم سے جھک گیا۔سابقہ ایم پی اے پی پی پی ساجدہ میر نے بحیثیت سیاسی قیدی

جیلوں کے اندر ضیاء الحق کے دور میں خود پر ہونے والے ٹارچر کی روداد بیان کی۔سیپ پاکستان کے ایگزیکٹوڈائریکٹر نے اِس بات پر زور دیا کہ تھانوں اور جیلوں میں ٹارچر کے خاتمے کے لیے ابھی بہت کام کی ضرورت ہے جس کے لیے ہمیں متحد ہوکر اان ریاستی اداروں میں ایذ رسانی کا کلچر ختم کرنا ہوگا تاکہ ہم مہذب معاشرہ کہلاسکیں۔سمینار کی میزبانی کے فرائض سیپ پاکستان کی منیجر ایڈووکیسی ذکیہ ارشد نے ادا کیئے۔اس کے علاوہ سندھ سے شہناز شیدی، بہاولپور سے فاروق احمد خان، ملتان سے شائستہ بخاری اور فیصل آباد سے امنیہ زمان نے ٹارچر کے خاتمہ کے لیے اپنے اپنے اضلاع کے تھانوں، جیلوں اور دارالامان میں "پولیس کی زیرحراست عورتوں کے ساتھ تشدد اور بدسلوکی کے خاتمہ کے پروگرام" کے تحت گزشتہ تین سالوں سے کیے جانے والے کام کے مثبت نتائج اور درپیش چیلنجز پر بات کی۔اس سیمینار کے آخر میں سول سوسائٹی کی طرف سے مطالبات پیش کیئے گئے جو درج ذیل ہیں:

❁ پاکستان میں ٹارچر کے خلاف کوئی قانون نہیں۔لہذا سول سوسائٹی کی تنظیمیں اس دن کے موقع پر حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کرتی ہیں کہ وہ ٹارچر کو ایک جرم قرار دے کر فوری طور پر قانون پاس کرے اور اِس بات کو یقینی بنائے کہ اِس قانون کو سختی سے نافذ کیا جائے گا۔ ❁ آئین میں ٹارچر کی ممانعت کے باوجود، پولیس اور قانون نافذ کرنے والے ادارے ملک کے تقریباً ہر شہر میں ٹارچر اور حراستی سیل چلا رہے ہیں جہاں لوگوں کو حراست میں رکھا جاتا ہے، ہم اِن سیلوں کو بند کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں اور ٹارچر کی تمام اقسام کی بھی ممانعت کرتے ہیں۔ ❁ حکومتِ پاکستان نے اقوام متحدہ کے معاہدہ بخلاف ٹارچر اور ظالمانہ، غیرانسانی، تحقیر آمیز سلوک یا سزاؤں کے خلاف جون 2010 میں توثیق کی ہے۔حکومتِ پاکستان کو چاہیے کہ اِن معاہدوں کا احترام کرے اور ٹارچر کو روکنے کے کا قانون نافذ کرنے کے ساتھ ساتھ عالمی معاہدہ بخلاف ٹارچر کے آپشنل پروٹوکول کی بھی توثیق کرے۔ ❁ افراد کا زبردستی لاپتہ ہونا، غیرقانونی حراست، ٹارچر، ماورائے عدالت اور زیرِحراست قتل ملک میں کثرت سے ہو رہے ہیں۔کسی بھی ادارے کو اِس معاملے میں کوئی چھوٹ نہیں ہوگی، کوئی بھی قانون سے بالاتر نہیں ہے۔ ❁ تمام قانون نافذ کرنے والے ادارے جوکسی شک کی بنا پر یا قومی سلامتی کے نام پر لوگوں کو اُٹھانے اور ٹارچر کرنے میں ملوث ہوں، اُن کا احتساب کیا جائے۔ ❁ حکومت کو بڑے پیانے پر اغواء کاری، لاقانونیت اور لوگوں کے لاپتہ ہونے کو روکنے کے لیے فوری طور پر اقدامات کرنے چاہیے اور اُن تمام لوگوں کو رہا کرایا جائے جو لاپتہ ہیں اور ہر جرم کرنے والے کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے۔ ❁ سینکڑوں اخبار نویسوں، لکھاریوں، انسانی حقوق کے علمبرداروں، طالبعلموں اور سیاسی کارکنوں کو ماورائے عدالت قتل کیا جاتا رہا ہے۔صحافی برادری کا تحفظ بھی ایک سوالیہ نشان رہا ہے، ریاست کی طرف سے اِن کا تحفظ یقینی بنایا جائے۔ ❁ پولیس کی زیرِحراست 70 فیصد عورتوں کے ساتھ بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے ساتھ ساتھ جنسی تشدد بھی رپورٹ کیا گیا ہے، یہ صرف تبھی روکا جاسکتا ہے جب ٹارچر کو قابلِ سزا جرم بنایا جائے۔ ❁ پاکستان میں ٹارچر کے کیسوں کی تحقیقات کے لیے کوئی آزادانہ تحقیقاتی طریقہ کار موجود نہیں۔ہم ٹارچر کے کیسوں کی تحقیقات کرنے کے لیے ایک آزاد اور خودمختار ادارہ قائم کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ❁ عدالتی کمیشن فوری طور پر سول عدالتوں کے نظام میں اصلاحات کرے اور استغاثہ کی کاروائی میں بھی اصلاح کریں۔ ❁ پارلیمنٹ کو چاہیئے کہ وہ قانون سازی کرکے پرانے نوآبادیاتی نظام کو تبدیل کرکے نیا سویلین نظام لائے۔ ❁ صوبائی حکومتیں اپنی آئینی ذمہ داری پوری کریں اور اپنے اپنے صوبوں میں ٹارچر پر نظر رکھیں۔ ❁ حکومتِ پنجاب پولیس اسٹیشنوں، حوالات اور جیلوں میں انسانی حقوق کے معیار کو بہتر بنائیں۔ ❁ صوبے کے مختلف حصوں میں 100 ماڈل پولیس اسٹیشن بناتے وقت خاتون ایس ایچ او (SHO) بھرتی کی جائیں۔

انتخابی مہم 2013

آزاد اُمیدوار نصرت آراء کے تجربات پر مبنی ایک چشم کُشا رپورٹ

از: نصرت آراء

میری تقریباً تین ہفتے کی انتخابی مہم منفرد تجربات کی حامل رہی۔جس میں بحیثیت آزاد امیدوار مجھے کئی طرح کے چیلنجز درپیش رہے۔ایک عورت کی حیثیت سے خیبر پختونخواہ جیسی سوسائٹی میں انتخابات میں حصہ لینا سب سے بڑا چیلنج تھا۔اس کے ساتھ ساتھ وسائل (مادی، مالی، انسانی) کی کمی، کہیں کہیں لسانی تعصب اور ایک سماجی تنظیم سے میری وابستگی ان سب نے مل کر میرے لئے انتخابی مہم چلانا مشکل تر بنا دیا تھا۔میں نے وسائل کی کمی کی وجہ سے اپنی زیادہ تر مہم گھر گھر جا کر کی۔اگرچہ امیدوار کے لیے یہ طریقہ فائدہ مند ہوتا ہے لیکن اس کے لیے بہت زیادہ وقت درکار ہوتا ہے۔اور مختلف کنبوں کے مختلف رویوں سے بھی پالا پڑتا ہے۔کہیں تو گھر کا دروازہ کھٹکھٹانے پر اہل خانہ خوش آمدید کہتی تھیں تو کہیں ناخوشگواری کے تاثرات چہروں پر نمایاں دکھائی دیتے تھے اور کہیں تندوتیز سوالات کی بوچھاڑ میرا سواگت کرتی۔مجھ سے شہری اور دیہی علاقوں میں تقریباً ایک ہی قسم کے سوالات کئے گئے مثلاً مردوں نے کیا کارنامہ سرانجام دیا ہے جو آپ عورتیں کر دکھائیں گی؟ کیا تم کورٹ کچہری جاسکتی ہو؟ کیا تمہارے جیتنے سے بجلی، گیس اور بے روزگاری جیسے مسائل کا خاتمہ ہوجائے گا؟ دہشتگردی ختم کرسکوگی؟ ہمارے بچوں کو بہتر تعلیم مل سکے گی؟ بیوہ عورتوں کے لیے تم کیا کرسکوگی؟ بےنظیر انکم سپورٹ کا فائدہ تو اثر ورسوخ والوں کو پہنچا وغیرہ وغیرہ۔مجھے ان سب باتوں کا جواب دینے میں کافی وقت درکار ہوتا تاہم ووٹر کی تشفی بھی ضروری ہوتی۔یوں تقریباً 8 یونین کونسل جن میں بکٹ گنج، مسلم آباد، گلی باغ، باڑی چم، مہوڈھیری، محبت آباد، طورو اور ہوتی میں لگ بھگ 800 گھرانوں میں بات چیت کی انھیں اپنی مہم کے لئے چھاپے گئے سٹیکر دیے۔یونین کونسل غلہ ڈھیر میں وقت کی کمی کے باعث وزٹ نہ کرپائی۔اسکے علاوہ 8 میٹنگز کیں جس میں 50 سے 60 خواتین نے شرکت کی۔اس تمام تر کاوش سے مجھے یوں لگتا تھا جیسے جیت میری ہی ہوگی۔انتخابات سے ایک ہفتہ قبل خواتین کی جانب سے پیسوں کے مطالبات سامنے آنا شروع ہو گئے کیوں کہ نواب، خوانین اور سرمایہ داروں نے انکے ووٹ کی قیمت لگائی تھی اور کچھ لوگوں نے اپنے ووٹ بیچ بھی دیئے تھے۔پھر میٹنگ اور جلسے کے ریٹ لاکھوں میں پہنچ گئے۔بعض لوگوں نے باقاعدہ اسکا کاروبار بنالیا کہ ہر پارٹی کے لیے رقم لیکر جلسے کرتے رہے۔اس رجحان سے سرمایہ داروں نے پورا پورا فائدہ اُٹھایا۔فی پوسٹر دیوار پر لگوانے کی قیمت 4 روپے سے 5 روپے تک ہوگئی۔میں نے بھی 5000 پوسٹر دیواروں پر لگوائے جسے گلی محلے کے بچے یا پھر کچھ ایسے عناصر جو عورت کا نام دیوار پر لکھا نا پسند کرتے ہیں پھاڑ پھینکے۔اسی طرح بینر لگوائے تو اگلی صبح وہ بھی اتار لیے گئے۔15 فلیکس رکشوں پر لگوائے جو چند دنوں بعد غائب ہوگئے۔دوران مہم مجھے بلواسطہ پیغامات ملتے رہے کہ اپنی ک مہم بند کردو ورنہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔یہاں تک کہ پیسوں کا بھی لالچ دیا گیا۔لیکن میں اور پی کے 23 سے رفاقت بی بی اپنے موقف پر ڈٹے رہے کہ نہ تو جھکیں گے اور نہ ہی بکیں گے۔کیونکہ ہمارا مقصد جمہوریت کی بقا اور استحکام ہے۔اور ہم سمجھتی تھیں کہ جب تک متوسط اور نچلے طبقے کی عورتیں انتخابی عمل کا حصہ نہیں بنیں گی جمہوری نظام مضبوط نہیں ہوگا۔ہماری رائے میں مجھ جیسی اور رفاقت بی بی جیسی خواتین کو اس عمل کا آغاز کرنا ہوگا اور بارش کا پہلا قطرہ بننا ہوگا۔تاکہ یہ سلسلہ چل نکلے، موروثی سیاست کا خاتمہ ہو، نواب، خوانین اور طبقہ اشرافیہ جنھوں نے سیاست کو کاروبار بنا رکھا ہے کا راستہ روکا جاسکے اور مخلص، ایماندار نمائندے ہیں اسمبلیوں میں آسکیں جو محروم اور نظرانداز طبقات کی آواز بن سکیں اور ان کے لئے کے لیے بہتر پالیسیاں بنا سکیں۔ میری رائے میں خواتین کو جو آبادی کا نصف حصہ ہیں عمداً سیاسی عمل سے باہر رکھا گیا ہے۔اور اگر ہزاروں میں سے ایک ہمت کرکے باہر نکلتی بھی ہے تو اسے کبھی مذہبی ٹھیکیدار، کبھی سیاسی مفاد پرست تو کبھی سماجی رویے اسکی راہ میں رُکاوٹ بنتے ہیں۔عورت کی معاشی حیثیت اور لسانی تعصب بھی سیاست میں اس کے لئے ایک رکاوٹ ثابت ہوتی ہے۔میڈیا بھی خواتین کی کارکردگی کو کوریج دینے میں بخل سے کام لیتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ مستقبل کے انتخابات میں متوسط طبقہ ابھر کر سامنے آئے گا۔اور خواتین صرف مخصوص نشستوں تک محدود نہیں رہیں گی بلکہ جنرل الیکشن میں بھی حصہ لیں گی۔کیونکہ مجھ جیسی عورتوں نے ساکت وجامد پانی میں ارتعاش تو پیدا کردیا ہے۔

قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں زیر بحث "عورتوں کے خلاف گھریلو تشدد کے خاتمہ کے بلز" کو قانونی شکل دی جائے۔

اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے قانون سازی کی جائے، پاکستان میں زرعی پالیسی پر عمل درآمد کے علاوہ کسان پالیسی بھی متعارف کروائی جائے۔

سول سوسائٹی کے مطالبات

از امتیاز الحق

ساؤتھ ایشیاء پارٹنر شپ پاکستان کے آواز اور جوابدہی پروگرام کی الیکشن مہم 2013ء کے تحت "سیاسی جماعتوں کے منشور: عورتیں اور اقلیتیں" کے موضوع پر لاہور میں ایک ڈائیلاگ کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں مختلف سیاسی جماعتوں کے نمائندوں نے اظہار خیال کیا۔ اس ڈائیلاگ کا بنیادی مقصد سیاسی جماعتوں کے نمائندوں کے سامنے محروم طبقات کے مسائل رکھنا اور ان کی بہتری اور ترقی کیلئے مطالبات پیش کرنا تھا۔ اس فورم پر سول سوسائٹی تنظیموں نے اپنی اس تشویش کا اظہار بھی کیا گیا کہ سیاسی جماعتوں کے منشوروں میں عورتوں کی صحت، تعلیم، روزگار اور قوانین جیسے اہم ترین ایشوز کو شامل ہی نہیں کیا گیا۔ اس مکالمے میں جن سیاسی جماعتوں کے نمائندوں نے شرکت کی ان میں میاں محمود احمد اور مہناز رفیع (پاکستان تحریک انصاف) عارفہ خالد (پاکستان مسلم لیگ ن) فائزہ ملک (پاکستان پیپلز پارٹی) سید وقاص احمد (جماعت اسلامی) انجینئر شہزاد الٰہی (پاکستان مسلم لیگ ق) ریاض احمد درانی (جمعیت علماء اسلام ف) دانیال عظیم (قومی وطن پارٹی) کامریڈ عرفان علی (کمیونسٹ مزدور کسان پارٹی) اور آن لائن گفتگو میں ڈاکٹر یاسمین راشد (پاکستان تحریک انصاف) اور بشریٰ اعتزاز (پی پی پی) موجود تھیں۔ سیپ پاکستان کی شبنم رشید نے اس ڈائیلاگ کے اغراض و مقاصد بیان کیے۔ اس کے بعد تحریک انصاف کے میاں محمود احمد نے کہا کہ پاکستان کے غریب لوگوں کو برسرِ اقتدار آنا چاہیے کیونکہ جاگیردار طبقہ لوگوں کو حقوق سے محروم کر رہا ہے۔ ہماری پارٹی سول سوسائٹی کے مطالبات کو ضرور ترجیح دے گی۔ سید وقاص احمد نے کہا کہ سیپ۔ پاکستان کی کاوش کو سراہا اور کہا کہ ہمیں خوشی ہے کہ سول سوسائٹی محروم طبقات کے حقوق کیلئے کام کر رہی ہے۔ جماعتِ اسلامی اسلام میں عورتوں کے حقوق اور انسانی حقوق کی تائید کرتی ہے۔ مزید برآں حکومت قوانین بناتی ہے لیکن اصل مسئلہ اُن پر عملدرآمد ہے جس پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ جماعتِ اسلامی کے منشور میں خاص طور پر پسے ہوئے طبقات اور اقلیتوں کے حقوق کی بات کی گئی ہے۔ ریاض دُرانی نے کہا کہ جب عورتوں کو انسانی اقدار سے الگ کر دیا جائے تو وہ حقوق سے بھی محروم ہو جاتی ہیں۔ عورتوں کیلئے حقوق کا تعین کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ عورتوں کے حقوق کو مردوں کے حقوق سے الگ دیکھا جائے۔ ہمارے منشور میں کسانوں اور مزدوروں کے حقوق کو تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے منشور میں کسی مزدور کی تنخواہ=/8000روپے سے بڑھا کر=/15000 رکھی گئی ہے۔ فائزہ ملک نے کہا کہ خواتین اور اقلیتوں کے حوالے سے ہم نے بہت اہم اقدامات بھی کیے ہیں ہماری پارٹی نے اب سینٹ میں بھی ان کی نمائندگی کو یقینی بنایا ہے۔ پچھلے پانچ سالوں میں ہم نے خواتین کے حوالے سے قانون سازی کی ہے نیز اب ایسی کمیٹیاں تشکیل دی جائیں گی جو کہ قانون سازی کا جائزہ لیں کہ ان پر کس حد تک عملدرآمد ہو رہا ہے۔ ہوم بیسڈ ورکرز کو سوشل سیکورٹی پر لانے کیلئے کام کیا جائیگا اور حکومتی سطح پر ان عورتوں کیلئے ٹھوس اقدامات کیے جائیں گے۔ انجینئر شہزاد الٰہی نے کہا کہ ہماری جماعت کے منشور میں بھی عورتوں اور اقلیتوں کے حقوق پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ اقلیتوں کے دہرے ووٹ کے حق پر عملدرآمد نہیں کیا گیا، اس بات کو خاص طور پر ہم نے اپنے منشور میں شامل کیا ہے۔ کامریڈ عرفان علی نے کہا کہ ہمارا منشور محروم اور پسماندہ طبقات کے حقوق کی بات کرتا ہے خاص طور پر خواتین اور اقلیتوں کو اُن کے بنیادی حقوق کی فراہمی کو یقینی بنائے گا۔ سیپ پاکستان اور سول سوسائٹی کی دیگر ساتھی تنظیموں کی جانب سے سیپ پاکستان کے ڈپٹی ڈائریکٹر عرفان مفتی نے سیاسی جماعتوں کے نمائندوں پر زور دیا گیا کہ وہ عوامی مفادات کیلئے عورتوں اور اقلیتوں سمیت تمام محروم اور پچھڑے ہوئے طبقات کے مسائل کے حل ممکن بنائیں اور ان کے حقوق کی فراہمی ترجیحی بنیادوں پر ممکن بنائی جائے ڈائیلاگ میں مشاورت سے ایک چارٹر آف ڈیمانڈ تشکیل دیا گیا جس میں مطالبات درج تھے کہ: ہم آج کی نشست کی توسط سے تمام جماعتوں سے توقع کرتے ہیں کہ وہ:

- گزشتہ دورِ حکومت میں کی گئی قانون سازی پر عمل درآمد کو یقینی بنانے کی کوشش کریں گے؛
- ملک میں اقلیتی افراد کو درپیش مشکلات کو سمجھتے ہوئے قانون سازی کریں گے تاکہ اُن کے حقوق کا تحفظ ہو سکے؛
- ملک میں مذہبی ہم آہنگی کی از سرِ نو ترویج کریں گے؛
- 1980 کی دہائی میں متعارف کروائے گئے کالے قوانین کا خاتمہ کرتے ہوئے جارحیت پر مبنی رویے کا خاتمہ ممکن بنائیں گے جس کے تحت غیر مسلموں بالخصوص خواتین کو جبری طور پر مذہب تبدیل کرنا پڑتا ہے جبکہ اُن کو زناء جیسے گھناؤنے جرم کا شکار بھی ہونا پڑتا ہے۔ اس وجہ سے لاتعداد اقلیتی افراد ملک چھوڑنے پر مجبور ہیں؛
- نچلی سطح پر مؤثر نمائندگی کے لیے مقامی نظامِ حکومت کو آئینی حیثیت دی جائے تاہم خواتین اور اقلیتوں کی سیٹیں 2001ء کے نظامِ کے تحت دی جائیں؛
- عورتوں کی مؤثر نمائندگی کو ہر سطح پر یقینی بنایا جائے؛
- قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں زیر بحث "عورتوں کے خلاف گھریلو تشدد کے خلاف بلز" کو قانونی شکل دی جائے اور اس پر عمل درآمد بھی یقینی بنایا جائے؛
- پاکستان میں 95% فیکٹریاں 1934 ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ نہیں ہیں تو مزدر کے حقوق کا تحفظ کیونکر ہو لہذا تمام فیکٹریوں کو رجسٹرڈ کیا جائے؛

- تمام صنعتی وغیر رسمی شعبوں کے مزدوروں کو یونین سازی کا قانونی حق دیا جائے؛
- غیر ملکی کمپنیوں کو بھی لیبر قوانین کے تحت کیا جائے؛
- % 5 سے بھی کم مزدور اولڈ ایج بینیفٹ، pess (پاکستان ایمپلائز سوشل سیکورٹی انسٹیوٹ) سے مستفید ہو رہے ہیں جبکہ % 47 زرعی مزدوروں کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے لہذا شہروں اور دیہاتوں میں رہنے والے تمام مزدوروں کے تحفظ کو برابری کی بنیادوں پر یقینی بنایا جائے؛
- **1.3 ملین مزدور جبری مشقت کرنے پر مجبور ہیں اور 3 ملین بچے چائلڈ لیبر کرنے پر مجبور ہیں ان پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے۔** جب کہ آئین کی شق نمبر 11 جبری مشقت اور چائلڈ لیبر کے خاتمے کی بات کرتا ہے۔ لہذا جبری مشقت اور چائلڈ لیبر کے خاتمہ کے لئے اس شق پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے۔
- پاکستان میں زرعی پالیسی پر عمل درآمد کے علاوہ کسان پالیسی بھی متعارف کروائی جائے؛

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم آج سب اکھٹے ہو کر سیاسی جماعتوں کے سامنے اپنا موقف کھل کر رکھیں اور مزدور کی نمائندگی قومی اور صوبائی حکومت کی سطح پر حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے لیے پولیٹکل پارٹی ایکٹ میں ترمیم اور متناسب نمائندگی کے تصور پر کام کریں تا کہ ہر طبقہ ہائے فکر کی مخصوص نشستوں پر نمائندگی ممکن ہو سکے یعنی پارٹیاں کچھ نشستوں پر الیکشن کے ذریعے آئیں اور مزدور، کسان کو مخصوص نشستوں کے ذریعے اسمبلی میں لایا جائے۔ ایسا کرنا لازم ہے کیونکہ اس کے بغیر ہمارے پاکستان کے مزدور کی زندگی میں بہتری ممکن نہیں۔ عورتوں کے خلاف گھریلو تشدد کے خاتمہ کے قانون کی فوری منظوری، مذہبی اقلیتوں کو جبری طور پر اپنا مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کرنے کے خلاف قانون سازی، سیاسی عمل میں عورتوں کی موثر شرکت اور انہیں ان سیاسی جماعتوں کی سینٹرل ایگزیکٹو کمیٹیوں میں عورتوں کی شمولیت کو یقینی بنایا جائے، لوکل گورنمنٹ نظام کی بحالی، کسانوں اور مزدوروں کیلئے مضبوط سوشل سیکورٹی نظام مہیا کرنا اور انہیں ایک مربوط سیکورٹی نیٹ کے تحت لانا عورتوں اقلیتوں اور بچوں کی جبری مشقت کا خاتمہ کرنا، 1934 کے فیکٹری ایکٹ کے تحت تمام فیکٹریوں کی رجسٹریشن کو یقینی بنانا اور عورتوں کیلئے کی گئی قانون سازی پر اطلاق کیلئے موثر و مضبوط نظام کی تشکیل کو ممکن بنانا۔ اس پر زور دیا گیا کہ الیکشن میں جیت کر آنے والی سیاسی جماعتیں مذکورہ بالا مطالبات پر عملدرآمد کریں اور ان مطالبات کو آئندہ اپنے منشور میں شامل کریں۔

بقیہ: لیہ فورم

- غیر رجسٹرڈ خواتین محنت کشوں کے استحصال کے خاتمے کے لئے اور انہیں مردوں کے برابر حقوق دینے کے لئے پالیسی سازی کی جائے گی۔
- سرکاری دفاتر میں خواتین کی ملازمتوں کا کوٹہ 20% کر دیا جائے گا۔
- اقلیتوں کو ریاستی اداروں میں مناسب نمائندگی دی جائے گی اور نفرت آمیز تحاریر و تقاریر پر پابندی لگائی جائے گی۔

اب چونکہ حکومت سازی ہو رہی اور آئندہ بجٹ بھی قریب ہے اس لئے ہمیں ان بڑی پارٹیوں کو انکے وعدے نہ صرف یاد کروانا ہیں بلکہ انہیں جوابدہ بھی ٹھہرانا ہوگا اس لئے اب ہمیں صرف ووٹ ڈالنے سے آگے بڑھ کر مسلسل سیاسی عمل میں شامل رہنا ہے۔ سیمینار میں MQM کی جانب سے بحیثیت امیدوار صوبائی اسمبلی حلقہ PP266 الیکشن میں حصہ لینے والی خاتون نسرین کوثر کلاسرہ نے بھی شرکت کی اور اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ محترمہ ضلع لیہ کی تاریخ میں پہلی خاتون امیدوار کی حیثیت سے سامنے آئیں۔ سیمینار کے اختتام پر سوال و جواب کا ایک سیشن بھی تھا۔ حاضرین میں اکثریتی تعداد کا خیال تھا کہ ایسے پروگرامز کا تسلسل جاری رہنا چاہئے، الیکشن 2013 اس لحاظ سے بہت اہمیت کا حاصل رہا کہ اس میں ووٹنگ کی شرح ماضی کی نسبت بلند ترین سطح پر رہی۔ اس الیکشن میں جہاں بڑے بڑے معروف سیاستدان مات کھا گئے وہیں خواتین کی زیادہ تعداد حکومتی ایوانوں کا حصہ بننے میں بھی ناکام رہی۔ تاہم ایک حوصلہ افزا امر یہ ہے کہ خواتین کی سیاسی عمل میں شرکت میں اضافہ کا رجحان پیدا ہوا ہے جہاں ماضی کے مقابلے میں خواتین کی ایک بڑی تعداد نے الیکشن میں حصہ لیا وہیں خواتین ووٹرز کی ایک بڑی تعداد نے بھی اپنا حق رائے دہی استعمال کیا۔

بقیہ: بھکر فورم

اس کی ریٹائرمنٹ ہو رہی ہے اور اس کے بعد نیا ٹیچر تعینات ہو جائے گا۔ ☆ کمیونٹی کے افراد کی شکایت پر انہوں نے بتایا کہ بستی اولکھ میں جو سکول بند ہیں اس پر فوری ایکشن لیں گے۔ ☆ ای ڈی او نے یقین دہانی کرائی کہ چک نمبر 19 ٹی ڈی اے اور 23 ٹی ڈی اے کے درمیان موجود بوائز پرائمری سکول کی عمارت کی فوری مرمت کروائی جائے گی۔

☆ انہوں نے کہا کہ ضلع بھر میں خستہ عمارات والے سکولوں کی تمام عمارتوں کی مرمت کا کام کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں گاؤں کے لوگ اپنے گاؤں کے سکول کی عمارت کی مرمت کے لیے ان سے رابطہ کر سکتے ہیں۔ صحت سے متعلقہ مسائل کی نشاندہی کرتے ہوئے لوگوں نے بتایا کہ دیہاتوں میں صحت کی سہولیات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ان دیہاتوں کی یوسی میں موجود بنیادی ہیلتھ یونٹ سے کئی کلومیٹر کے فاصلے پر ہونے کی وجہ سے بیماری کی صورت میں مریضوں خاص طور پر خواتین کو بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس سلسلے میں محکمہ ہیلتھ سے ڈاکٹر محمد اکرم مبارک نے شرکاء کو بتایا کہ ضلع کے 17 ہسپتالوں میں 24 گھنٹے خواتین کے لئے ڈیلوری کی سہولیات فراہم کر دی گئی ہیں۔ جبکہ دو سالوں میں یہ سہولیات بنیادی ہیلتھ مراکز تک پہنچا دی جائیں گی۔ انہوں نے بتایا کہ اس سال ضلع بھکر کے سرکاری ہسپتالوں کو 12.50 کروڑ روپے کی مالیت کی ادویات فراہم کی گئی ہیں جو ایک ریکارڈ ہے۔ شرکاء کے صحت سے متعلق مسائل کے حل کے لیے ڈاکٹر محمد اکرام نے شرکاء کو اپنا موبائل نمبر دیا اور ان سے کہا کہ لیڈی ہیلتھ ورکرز کی کارکردگی کو بہتر کرنے کے لیے یا دیگر شکایات کی صورت میں وہ ان سے فوری رابطہ کریں۔ ہیلتھ آفیسر نے چک نمبر 23 ٹی ڈی اے میں سائنس میں میٹرک پاس لڑکی کو لیڈی ہیلتھ ورکر کی تربیت دلوانے اور تعینات کرنے کا بھی وعدہ کیا۔

ٹوبہ ٹیک سنگھ میں زراعت بچانے کے لئے پانی کا گھمبیر مسئلہ حل کرنا ہوگا!

ضلع میں نہری پانی کی موجودہ صورتحال پر ایک نشست

از: محمد وسیم

گزشتہ دنوں ضلعی کسان بیٹھک ٹوبہ ٹیک سنگھ میں چوہدری فتح محمد (کسان رہنما و صدر کسان رابطہ کمیٹی) کے ساتھ ایک نشست کا اہتمام کیا گیا۔ جس کا مقصد ضلع ٹوبہ میں نہری پانی کی موجودہ خراب صورتحال سے نمٹنے کی لئے لائحہ عمل تیار کرنا تھا۔ پروگرام کا باقاعدہ آغاز پاکستان کسان ٹرسٹ کے ڈائریکٹر محمد شہباز سرور نے شرکاء کو خوش آمدید کہتے ہوئے کیا۔ انہوں نے چوہدری فتح محمد صاحب کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کیا اور ڈائیلاگ میں شریک کسانوں کو بتایا کہ آج کے اس ڈائیلاگ کا مقصد یہی ہے کہ چوہدری فتح محمد صاحب کی رہنمائی میں نہری پانی کی گھمبیر صورتحال سے نمٹنے کے لئے لائحہ عمل تیار کیا جائے۔ چوہدری فتح محمد صاحب نے بات کا آغاز کرتے ہوئے بتایا کہ پنجاب میں سب سے زیادہ نہری پانی ڈیرہ غازی خان اور رحیم یار خان کے لیے منظور کیا گیا ہے۔ جو فی 1000 ایکٹر پر 7.5 کیوسک بنتا ہے۔ ملتان ڈویژن کے لیے اتنے ہی رقبہ کے لئے نہری پانی 5.5 کیوسک دیا جاتا ہے۔ فیصل آباد ڈویژن کے لیے 2.64 کیوسک نہری پانی فی 1000 ایکٹر رقبے کے لئے ہے جو کہ کاشت کے لیے بہت کم ہے۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ کے کھیوڑہ راجباہ کا پانی سب سے کم ہے۔ جو 1.58 کیوسک فی 1000 ایکٹر ہے۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ کا زمینی پانی بھی بہت کڑوا ہے جو زراعت کے لیے استعمال نہیں ہوسکتا۔ اس لیے ضلع ٹوبہ کی زراعت کا انحصار نہری پانی پر ہے۔ اور ٹوبہ کے لیے منظور شدہ پانی ضرورت سے بہت ہی کم ہے۔ گوگیرہ برانچ اور جھنگ برانچ کی ٹیل پر واقع ہونے کی وجہ سے ٹوبہ ٹیک سنگھ میں زراعت کے لئے پانی کا مسئلہ اور بھی گھمبیر ہو جاتا ہے۔ جبکہ آبیانہ (واٹر ریٹ) فلیٹ ریٹ پر وصول کیا جاتا ہے۔ ربیع کی فصلوں کے لیے 45 روپے فی ایکٹر اور حریف کی فصلوں کے لیے 85 روپے فی ایکٹر آبیانہ وصول کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ آبیانہ پنجاب کے تمام علاقوں کے لیے اک جیسا ہے۔ لہذا خاص طور پر ٹیل والے چھوٹے کسانوں (ٹوبہ ٹیک سنگھ) کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہے۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اس مطالبہ کے لیے لوگوں کو (Advocate) کیا جائے اور تحریک چلائی جائے کہ چونکہ آبیانہ تمام اضلاع کے لیے ایک جیسا ہونا چاہیے اس لیے پانی بھی ایک جیسا ملنا چاہیے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ ٹوبہ جیسے اضلاع جو کہ ٹیل پر واقع ہیں اور جہاں کا زمینی پانی

بھی بہت کڑوا ہے جو کاشت کاری کے لیے استعمال نہیں ہوسکتا ان میں ترجیحی بنیادوں پر پانی فراہم ہونا چاہیے، لیکن بدقسمتی سے اس ضلع کو پانی بہت ہی کم ملتا ہے۔ اس بات پر بھی تحریک چلانے کی ضرورت ہے کہ ترجیحی بنیادوں پر نہیں تو کم از کم پانی کی تقسیم برابر اور منصفانہ ہونی چاہئے۔ جس میں یہ مطالبہ بھی رکھا جائے کہ آبیانہ صرف سیراب شدہ علاقوں پر وصول کیا جائے۔ آبیانہ فلیٹ ریٹ پر ہونے کی وجہ سے محکمہ انہار بہت غفلت برتتا ہے اگر آبیانہ سیراب شدہ رقبہ پر ہو تو محکمہ انہار کا Revenue کم ہو جاتا ہے اور وہ پانی پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن آبیانہ فلیٹ ریٹ پر ہو تو وہ ذمہ داری سے کام نہیں کرتے اس لیے تحریکوں کے ذریعے حکومت کو مجبور کیا جائے، آبیانہ سیراب شدہ رقبہ پر وصول ہو۔ جب آبیانہ سیراب شدہ رقبہ پر وصول ہوگا تو پانی کی تقسیم خود بخود منصفانہ شروع ہو جائے گی۔ اس کے عاتھ ساتھ چوہدری فتح محمد (کسان رہنما و صدر کسان رابطہ کمیٹی) نے مذکورہ مسائل کے کچھ حل بھی تجویز کیے جو درج ذیل ہیں:

* جن علاقوں کا زمینی پانی کاشت کاری کے لیے استعمال ہو سکتا ہے وہاں ٹیوب ویل لگائے جائیں۔ نہری پانی ان علاقوں میں دیا جائے جہاں زمینی پانی کاشت کاری کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا۔
* لوگوں کو Educate کیا جائے۔
* جلسے جلوسوں کے ذریعے ان مسائل کو اُجاگر کیا جائے۔
** چھوٹے کسانوں کی کمیٹیاں بنائی جائے۔
* آگاہی فورم منعقد کیا جائے۔
* لوگوں کو شعور و آگاہی دینے کیلئے ریلیاں نکالی جائیں۔
* حکومت پر دباؤ ڈالا جائے کہ آبیانہ پر فلیٹ ریٹ ختم کیا جائے۔
* کسان کمیٹیاں لوگوں کو شعور دینے کے لیے ان کے ساتھ میٹنگز کریں اور حکومتی عہدیداران تک اپنے مطالبات پہنچائیں۔
* حکومتی محکموں (محکمہ انہار اور محکمہ زراعت) کے ساتھ میٹنگز کی جائیں اور ان کو بھی تجاویز جائیں۔
* لوگوں کو شعور دیا جائے کہ وہ ووٹ انہی نمائندوں کو دیں جن کے بارے میں انہیں یقین ہو کہ یہ لوگ ان کے نہری پانی کے مسائل ختم کروانے کے لئے اسمبلیوں میں آواز اُٹھائیں گے۔
* لوگوں کو منظّم کیا جائے تا کہ وہ پریشر گروپس کی شکل میں حکومت کی پانی کی تقسیم کی پالیسیوں کے خلاف آواز اُٹھاسکیں۔

اس کے ساتھ ساتھ مسائل کو حل کرنے کے لیے جن ترقیاتی منصوبوں کی ضرورت ہے اُن میں:

* ٹیل پر سپر نکلر لگوائے جائیں۔
* واٹر Ponds بنائیں جائیں تا کہ بندی کے دنوں میں پانی سٹور کر لیا جائے۔
* ڈرپ اریگیشن سسٹم لگانے میں کسانوں کی معاونت کی جائے۔
* چھوٹے کسانوں کی زمینوں کی لیولنگ کی جائے۔ ہر تھانہ کی سطح پر کسان کمیٹیاں کو لیولنگ میشنیں مہیا کی جائے۔ جو Subsidize ریٹ پر چھوٹے کسانوں کی زمینوں کو لیول کرے۔
* پیڈا (PIDA) کو مزید فعال کیا جائے۔ کیونکہ یہ ادارہ جمہوری طریقے سے کام کرتا ہے اور عام لوگوں کی اس میں نمائندگی ہوتی ہے۔ اس لیے اسے مزید فعال کرنے اور مزید اختیارات دینے کی ضرورت ہے۔
* پیڈا کے ذریعے چھوٹے کسانوں کو Subsidize ریٹ پر بیج اور کھاد فراہم کیے جائیں۔ پیڈا ہی کسانوں سے ان کی فصل خرید کر بڑی مارکیٹوں تک پہنچائے تا کہ کسان کا مڈل مین سے استحصال نہ ہو۔
* لوگوں کو آگاہی دی جائے تا کہ وہ پیڈا کی مضبوطی کے لیے آواز اٹھائیں۔ کیونکہ محکمہ انہار پیڈا کو ناکام کرنے کی کوشش میں رہتا ہے کیونکہ محکمہ انہار کی کرپشن کی راہ میں یہ ادارہ ایک رکاوٹ ہے۔

اس نشست کے آخر میں چوہدری فتح محمد نے پاکستان کسان ٹرسٹ کی سرگرمیوں کو بہت سراہا جن کے ذریعے کسانوں کو منظّم کر کے ان کی استعدادِ کار میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔

ضلع بھکر میں محکمہ تعلیم اور صحت کے سرکاری افسران کے ساتھ مکالمہ

از: رشم عدنان

ساؤتھ ایشیاء پارٹنر شپ پاکستان نے فروری 2013 میں انسانی تحفظ کی صورت حال کو بہتر کرنے کا چار سالہ پروگرام شروع کیا ہے۔ جس کا مقصد حکومتی منصوبہ بندی اور پالیسی سازی کے عمل میں لوگوں کی شرکت کو ممکن بنانا اور شہریوں کو تعلیم، صحت اور پینے کے صاف پانی کی سہولیات کی فراہمی کے لئے لوگوں کے حکومتی اداروں سے رابطے پیدا کرنا ہے۔ اس پروگرام کے تحت ساؤتھ ایشیاء پارٹنر شپ پاکستان نے صوبہ پنجاب کے ضلع بھکر میں کام شروع کیا ہے۔ اس سلسلے میں ضلع بھکر کے تعلیم اور صحت کے محکموں سے تعلق رکھنے والے سرکاری افسران کے ساتھ ڈسٹرکٹ ویمن ریسورس سینٹر میں ایک ڈائیلاگ منعقد کیا گیا جس میں ضلع بھکر کی یونین کونسل کہاوڑ کلاں کے چار گاؤں سے 35 مرد اور خواتین نے شرکت کی۔ یہ تمام شرکاء ان دیہاتوں میں دیہی کمیٹیوں کے ممبران ہیں جو ساؤتھ ایشیاء پارٹنر شپ نے اس پروگرام کے تحت ان دیہاتوں میں تشکیل دی ہیں۔ ان چار دیہاتوں میں TDA 22, TDA 23، سوہرانی نشیب اور گاؤں کہاوڑ کلاں شامل ہیں۔ ڈائیلاگ سے پہلے ساؤتھ ایشیاء پارٹنر شپ پاکستان کی ٹیم نے تعلیم اور صحت کے حوالے سے لوگوں کے مسائل کی نشاندہی کرنے اور ان کو اپنے مسائل پر ضلعی حکومت سے بات چیت کرنے کے لئے ان دیہاتوں میں مردوں اور عورتوں کے گروپوں سے الگ الگ میٹنگیں کیں۔ اس تیاری کے بعد تمام گروپوں کے ممبران کو ضلعی حکومت کے ساتھ ڈائیلاگ میں مدعو کیا گیا۔ اس ڈائیلاگ میں ضلعی حکومت سے ای ڈی او ایجوکیشن سید محمد وحید الدین اور ضلعی حکومت کے محکمہ ہیلتھ سے ڈاکٹر محمد اکرم مبارک نے شرکت کی۔ ای ڈی او ہیلتھ نے بتایا کہ ضلع میں تمام گرلز سکولوں کی چار دیواریاں اور بیت الخلاء مکمل ہیں اور جہاں نہیں ہیں وہاں فنڈز جاری ہو چکے ہیں۔ اساتذہ کی حاضری کو بھی سو فیصد کرنے کے لئے اقدامات جاری کر دیے گئے ہیں۔ اگر کہیں سے کوئی شکایت آتی ہے تو اس پر فوری ایکشن لیا جاتا ہے۔ اس موقع پر انہوں نے کمیونٹی کو اپنا فون نمبر بھی دیا اور کہا کہ محکمہ تعلیم سے متعلق کوئی بھی شکایت ہو تو وہ ان سے فوری رابطہ کر سکتے ہیں۔ ای ڈی او ایجوکیشن نے مزید بتایا کہ ضلع بھر میں سکولوں کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے 500 میٹر کی رینج میں سکولوں کو ضم کر دیا گیا ہے۔ جن سکولوں میں بچے کم تھے ان کو دوسرے سکولوں میں ضم کر کے ٹیچروں کی کمی

کو پورا کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح 124 پرائمری سکولوں کو مڈل کا درجہ دے کر خواتین کے سٹاف کو بھرتی کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ حکومتی اور عدالتی احکامات کے مطابق اب سرکاری اور پرائیوٹ سکولوں کا 5 ویں اور 8 ویں کا سلیبس ایک ہو چکا ہے۔ ان احکامات پر سختی سے عمل درآمد کروایا جا رہا ہے جو پرائیوٹ ادارے ان احکامات کی پابندی نہیں کریں گے ان کے خلاف کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔

ڈائیلاگ میں تمام شرکاء نے اپنے اپنے دیہاتوں میں تعلیم اور صحت سے متعلقہ مسائل کی نشاندہی کی۔ تعلیم کے مسائل میں سکولوں کی کمی، مڈل اور ہائی سکولوں کی کمی، اساتذہ کی غیر حاضری، عمارات کا ناکافی ہونا وغیرہ شامل تھے۔ شرکاء نے اپنے دیہاتوں کے تعلیم اور صحت کے مسائل کو حل کرنے کے لئے سرکاری افسران سے فوری اقدامات کرنے کی اپیل کی۔ ان کے مسائل کو حل کرنے کے لیے ای ڈی او ایجوکیشن نے فوری طور پر مندرجہ ذیل اقدامات لینے کا وعدہ کیا۔

☆ جن دیہاتوں میں سکول موجود نہیں ہیں وہاں کے لوگ 30 بچوں کی فہرست انہیں مہیا کر دیں تو وہاں فوری غیر رسمی سکول قائم کر دیں گے۔ اس سلسلے میں انہوں نے چک نمبر 23 ٹی ڈی اے اور سہرانی نشیب کی خواتین کو یقین دہانی کرائی کہ ان کے گاؤں میں فوری طور پر غیر رسمی سکول قائم کر دیے جائیں گے۔

☆ چک نمبر 19 ٹی ڈی اے کے افراد کی شکایت پر انہوں نے بتایا کہ جو ٹیچر بیمار ہے اور اکثر چھٹی پر رہتا ہے

(بقیہ: صفحہ ۵)

ثقافتی امن میلہ - بھکّر

رپورٹ: اسد شاکر/اکرام عارفی

ساؤتھ ایشیاء پارٹنرشپ پاکستان کے زیرِ اہتمام بھکّر میں ایک رنگا رنگ ثقافتی امن میلہ منعقد کیا گیا۔یہ میلہ سیپ پاکستان کے ضلع بھکّر میں جاری پروگرام "سب سے پہلے شہری(سٹیزنز فرسٹ)" کے تحت منعقد کیا گیا۔دربار امیرن شاہ کہاوڑ کلاں میں منعقدہ میلے کا آغاز ادارہ ہٰذا کے ملتان سے تشریف لائے سینئر کارکن اکرام عارفی نے خوش آمدیدی کلمات سے کیا۔انہوں نے میلے کی تمام انتظامی ٹیم کو عمدہ انتظامات کرنے پر مبارکباد دی اور ادارہ کا مختصر تعارف پیش کرتے ہوئے کہا کہ سیپ پاکستان کی ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ وہ معاشرے کے نظرانداز شدہ اور پسے ہوئے طبقات بشمول مرد وخواتین کو ساتھ لے کر چلے اور انہیں قومی ترقیاتی دھارے میں مؤثر کردار ادا کرنے کے لئے متحرک کرے۔اس کے بعد پروگرام" سب سے پہلے شہری" کے کوآرڈینیٹر اسد شاکر نے جو کہ ملتان سے تشریف لائے تھے پروگرام کے بارے میں مختصر معروضات پیش کیں۔انہوں نے کہا کہ "سب سے پہلے شہری" کا مطلب یہ ہے کہ شہریوں کے بنیادی انسانی حقوق سب سے پہلے آتے ہیں۔ صحت،تعلیم، پینے کا صاف پانی،روزگار اور پرُامن زندگی گزارنا شہریوں کا بنیادی حق ہے اور یہ ان کو ملنا چاہئے۔لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہماری ریاست کی ترجیح اس ملک کے شہریوں کی فلاح نہیں ہے بلکہ کچھ اور ہے۔ان کا کہنا تھا کہ ہم اگر اپنے ملک کے سالانہ بجٹ کو ایک نظر دیکھیں تو ہمیں بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ ہماری ریاست کی ترجیحات کیا ہیں؟ صحت،تعلیم اور پینے کے صاف پانی کے لئے نہ ہونے کے برابر بجٹ مختص کیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس پروگرام کے ذریعے ہم مختلف سماجی تنظیموں اور شہریوں کے توسط سے حکومت اور منتخب نمائندوں سے بات چیت کریں گے کہ وہ صحت تعلیم اور پینے کے صاف پانی کے لئے زیادہ بجٹ مختص کرنے کے لئے پارلیمنٹ میں بات چیت کریں۔ انہوں نے مزید کہا کہ اس پروگرام کے ذریعے ہم سماجی تنظیموں سے بھی گزارش کریں گے کہ وہ اپنے کاموں میں لوگوں کے تمام بنیادی حقوق کو بھی شامل کریں تا کہ لوگ اور سماجی تنظیمیں اس حوالے سے متحرک ہوسکیں۔ انہوں کہا کہ آج کا یہ میلہ صرف ایک میلہ نہیں ہے بلکہ اس کے کچھ اہم مقاصد بھی ہیں۔ ان مقاصد کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔مثال کے طور پر مختلف مذاہب، مسالک،ثقافت اور زبان سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو سماجی اور ثقافتی رابطے کے لئے مشترکہ پلیٹ فارم مہیا کرنا نیز مختلف شناختیں رکھنے والے لوگوں کو عام ثقافتی روایات جیسے موسیقی،رقص،شاعری وغیرہ کے ذریعے مشترکہ خوشی کا موقع فراہم کرنا اور مثبت ثقافتی روایات اور ورثہ کے ذریعے مختلف شناختیں رکھنے والے لوگوں میں مشترکہ اقدار کو فروغ دینا ہے۔ میلے میں بھکّر کی عوام کی دلی تمناؤں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مختلف ثقافتی اور روایتی آئٹمز بھی پیش کیئے گئے۔ حاضرین کے لئے رنگا رنگ موسیقی کا ایک پروگرام پیش کیا گیا جس میں ضلع بھکّر کے ہر دل عزیز گلوکار شہزاد اقبال آف کاٹھ گڑھ نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا اور لوگوں کے دل موہ لئے۔ حاضرین کے لئے مقامی جھومر پارٹی نے مقامی لوک رقص بھی پیش کیا گیا اور جھومر جیسے کول رقص کو اس کی اصل صورت میں حاضرین کے سامنے پیش کر کے بے پناہ داد وصول کی۔ایک اور آئٹم جس کے بغیر پنجاب کی ثقافت نامکمل رہتی ہے ڈھول ہے۔ڈھول بجانے کا مظاہرہ کرنے کے لئے ضلع بھکّر کے معروف ڈھولچی تشریف لائے۔حاضرین کے سامنے شرناٹ بجانے کے فن کا بھی مظاہرہ کیا گیا جس سے حاضرین بہت لطف اندوز ہوئے ۔کھیلوں کے بغیر ضلع بھکّر کی تاریخ نامکمل رہتی ہے۔ منتظمینِ میلہ نے خاص طور پر والی بال میچ کا اہتمام کیا ہوا تھا۔میچ کے اختتام پر جیتنے والوں میں پرکشش انعامات بھی تقسیم کئے گئے۔اس دفعہ میلہ کہ مزید رنگا رنگ بنانے کے لئے لاہور سے ایک میوزک بینڈ کو خاص طور پر دعوت دی گئی تھی۔میوزک بینڈ "روح بولتی ہے" کے گلوکاروں نے حاضرین کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے انتہائی سُریلے نغمات پیش کئے۔انہوں نے روایتی ،صوفی اور جدید گیت گا کر خوب داد وصول کی۔بھکّر میں سیپ پاکستان کے ضلعی کوآرڈینیٹر جناب مہر احمد حسن نے تمام حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ادارہ سیپ پاکستان کی کوشش ہو گی کہ آئندہ بھی اس طرح کی سماجی تقریبات میں لوگوں کی شرکت یقینی بنائی جائے تا کہ فن وثقافت کے اظہار کے ساتھ ساتھ لوگوں کو منظّم انداز میں آگے بڑھنے اور اپنے مسائل حل کرنے کے مواقع مہیا کئے جائیں۔میلہ میں مختلف طبقہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لگ بھگ 4000افراد نے شرکت کی جن میں صحافی،وکلاء،سول سوسائٹی کے نمائندے، طلباء ،اساتذہ اور مختلف یونین کونسلوں سے تعلق رکھنے والے پروگرام "سب سے پہلے شہری" سے وابستہ لوگ اور استفادہ کنندگان شامل تھے۔کامیاب میلہ کے انعقاد میں سیپ پاکستان کی مقامی ساتھی تنظیم عوام دوست فاؤنڈیشن بھکّر اور دیگر نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔

دیہی غریبوں کیلئے امن ومعاشی استحکام کا پروگرام راجن پور کے دیہات میں مسائل کے حل کا ذریعہ بن گیا

کیس سٹڈی: دیہات میں مسائل کی نوعیت شہروں سے یکسر مختلف ہوتی ہے۔ بظاہر یہ مسائل شہر والوں کے لئے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہوں گے لیکن دیہات میں رہنے والوں کے لئے یہ بڑے اہم اور ان کی زندگیوں سے جڑے ہوتے ہیں۔اور اگر یہ مسائل کسی طور حل ہوجائیں تو ان کی زندگیاں قدرے آسان ہوجاتیں ہیں۔اسی سوچ کے تحت ساؤتھ ایشیاء پارٹنرشپ پاکستان نے دیہی غریبوں کیلئے امن ومعاشی استحکام کا پروگرام(PLRP) تیار کیا اور اسے قابل عمل بنایا۔اس پراجیکٹ کے استفادہ کاروں میں سے ایک عبدالخالق بھی ہے جس کا تعلق ضلع راجن پور کی بستی مرید حسین یونین کونسل رکھ فاضل پور کی پسماندہ بستی سے ہے۔ یہ بستی انڈس روڈ سے 16 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔اس کی آبادی 3500افراد پر مشتمل ہے۔ یہ بستی 50 گھرانوں پر مشتمل ہے۔بستی مرید حسین کے لوگ بہت محنتی ہیں لیکن وسائل نہ ہونے کی وجہ سے ترقی نہیں کر سکے۔اس بستی میں تعلیم کی بہت کمی ہے۔روہی تنظیم نے بستی مرید حسین میں ویلج آرگنائزیشن بنائی جس کا نام " کرن " رکھا گیا۔اس کے عہدیداروں اور ممبران کو ان کی ذمہ داریاں بتائی گئیں۔ویلج آرگنائزیشن بنانے کے بعد بستی مرید حسین کے تمام ممبران نے میٹنگ منعقد کی اور اپنی بستی کی تعلیمی صورت حال زیر بحث لائی گئی۔اس حوالے سے ایک مسئلہ سامنے آیا کہ ایک بچے کا ب فارم بنوانے میں مسئلہ درپیش تھا۔عبدالخالق جو کہ میٹرک کی تیاری کر رہا تھا اس کا ب فارم نہ ہونے کی وجہ سے داخلہ نہ جا سکتا تھا۔ویلج آرگنائزیشن کے ممبران نے اس تعلیمی مسئلے کو حل کرنے کیلئے ایک کمیٹی بنائی جس کے ذمہ لگایا گیا کہ وہ اُس بچے کا ب فارم بنوائے گی۔اگلے روز وہ نادرا کے دفتر گئے اور مطلوبہ دفتری کارروائی پوری کی۔ چند دن بعد عبدالغفار نے جب عبدالخالق کو ب فارم دیا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ وہ اب میٹرک کے امتحان میں بیٹھ سکتا ہے۔اس کے والد مرید حسین کا بیان" آج میں بہت خوش ہوں کہ ویلج آرگنائزیشن کے ممبران نے مل کر میری بیٹے کے ب فارم کا مسئلہ حل کرایا"۔خود عبدالخالق کا کہنا تھا کہ "اگر میرا ب فارم نہ بنتا تو میں گھر بیٹھ جاتا اور میرا تعلیمی سلسلہ ختم ہوجاتا مگر VO ممبران کی کوششوں سے میں آگے پڑھوں گا"۔بستی مرید حسین میں " کرن "لوگوں کی امیدوں کی کرن بن گئی ہے۔گاؤں والوں کا اب کوئی مسئلہ طوالت نہیں پکڑتا کیونکہ وہ اسے کمیٹی کے پاس لے جاتے ہیں۔اور ان کے ساتھ مل کر مسئلہ حل کر لیتے ہیں۔اب گاؤں میں صورت حال قدرے بہتر اور مختلف ہے۔لوگوں کو اپنی مدد آپ کے تحت مسائل حل کرنا آ گئے ہیں۔

کیس سٹڈی: ضلع راجن پور کی واہ لشاری یونین کونسل میں بستی ٹبی سوگی ایک پسماندہ دیہی علاقہ ہے۔یہاں کے اکثر لوگ تعلیمی یافتہ ہیں لیکن وسائل کی کمی کی وجہ سے روزگار نہیں ہے۔جس کی وجہ سے بے روزگاری زیادہ ہے یہ علاقہ ہر سال سیلاب کی زد میں رہتا ہے۔ساؤتھ ایشیاء پارٹنرشپ پاکستان کی معاونت سے روہی ڈویلپمنٹ آرگنائزیشن نے۔۔۔۔۔۔(PLRP)پراجیکٹ کا آغاز کیا۔اس پراجیکٹ کے تحت بستی ٹبی سوگی میں روہی ٹیم نے علاقے کا وزٹ کیا اور پراجیکٹ کے بارے میں دیہی کمیونٹی کے لوگوں کو بتایا اور اس کے مقاصد اور ضروری معلومات سے آگاہ کیا۔اگلے وزٹ پر روہی ٹیم نے ٹبی سوگی میں ایک ویلج آرگنائزیشن بنائی جس میں صدر، جنرل سیکرٹری اور خزانچی کی ذمہ داریوں کے بارے میں آگاہ کیا گیا۔ویلج آرگنائزیشن کا مقصد علاقے کے مسائل کی نشاندہی کرنا اور انہی مسائل کے حل کیلئے ضروری اقدامات کی تکمیل کرنے کی ہدایت دینا تھا تا کہ علاقے کے مسائل کم کئے جا سکیں۔ویلج آرگنائزیشن کے ممبران نے اپنی اپنی ذمہ داریوں سے آگاہی لیتے ہوئے علاقے کا جائزہ لینا شروع کر دیا اور لوگوں کے مسائل اور وسائل جاننے اور ان کے بہت سے مسئلوں کو حل کرنا شروع کر دیا۔ویلج آرگنائزیشن کے ممبران ہر ہفتے اپنے علاقے کے لوگوں کے ساتھ مل بیٹھ کر علاقے کے مسائل پر تبادلہ خیال کرتے ہیں۔ایسی ہی ایک میٹنگ میں بستی کے ایک رہائشی انعام اللہ نے بتایا کہ بستی ٹبی سوگی میں سب سے بڑا مسئلہ پانی کا ہے۔سب لوگ اس مسئلے سے پریشان ہیں۔پینے تک کا پانی میسر نہیں ہے۔لوگوں کو پانی حاصل کرنے کے لیے دُور دراز علاقوں میں جانا پڑتا ہے،صورت حال گرمیوں میں اور بھی زیادہ گھمبیر ہوجاتی ہے۔جو لوگ دُور دراز علاقوں میں نہیں جاسکتے وہ سیلاب کا پانی استعمال کرتے ہیں۔ویلج آرگنائزیشن کے ممبران نے پانی کے مسئلے کے حل کے لیے علاقے کے دوسرے رہائشوں کی بھی رائے لی۔اُن سب نے پانی ہی اس علاقے کا سب سے بڑا مسئلہ بتایا۔ویلج آرگنائزیشن نے لوگوں کی آراء سننے کے بعد اس کے حل کے لئے لوگوں سے تجاویز مانگی۔لوگوں کی طرف سے کوئی ٹھوس اور قابل عمل تجویز نہ آنے کے بعد ویلج آرگنائزیشن کے ممبران نے پانی کے مسئلے کے حل کے لیے ایک تجویز پیش کی کہ اگر سب مل کر اپنی مدد آپ کے تحت تھوڑے تھوڑے پیسے جمع کریں تو ایک نلکا لگوایا جاسکتا ہے۔جو با آسانی رہائشوں کی ضروریات پوری کر سکے گا۔اس تجویز پر سب نے اتفاق کیا چند ہی دنوں میں ویلج آرگنائزیشن نے پیسے اکٹھے کر لیا اور نلکا لگوادیا۔یہ دن اس علاقے کے لئے ایک بہت بڑی خوشی کا دن تھا کیونکہ علاقے کے لوگوں کا ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو چکا تھا۔آج کل اس نلکے پر علاقے کے رہائشوں کا رش رہتا ہے۔انہیں پینے کا صاف پانی مل رہا ہے۔اور وہ اس کاوش کے لئے ویلج آرگنائزیشن کے مشکور ہیں۔بستی کے لوگوں کا کہنا ہے کہ "ہم سب بستی کے لوگ بہت خوش ہیں کہ جب چاہیں پانی جیسی نعمت کو آرام کے ساتھ حاصل کر سکتے ہیں۔ہم VO ممبران کے شکرگزار ہیں کہ ان کی کوشش سے یہ مسئلہ حل ہوا اور اب علاقے کے تمام لوگ صاف ستھرا پانی حاصل کر سکتے ہیں"۔

موجودہ عام انتخابات میں خواتین نے ووٹنگ کی شرح بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا!

"الیکشن کے بعد کی صورتحال اور خواتین کی حکومتی ایوانوں میں نمائندگی" کے موضوع پر ضلعی فورم، لیہ

تحریر: نعمان نصیر

ساؤتھ ایشیاء پارٹنرشپ پاکستان کی گزشتہ دو دہائیوں کی تمام تر جدوجہد محروم طبقات کی بحالی، اُن کی قومی دھارے میں موثر شمولیت کے ساتھ ساتھ ایک مستحکم، پُرامن، جمہوری اور متوازن معاشرے کے قیام کے لئے کی جانے والی کوششوں اور کاوشوں پر مبنی ہے۔ موجودہ صورتحال میں جب الیکشن 2013 کا انعقاد ہونے جا رہا تھا تو ساؤتھ ایشیاء پارٹنرشپ پاکستان نے آواز اور جوابدہی پروگرام کے تحت 13 اضلاع میں 26 الیکشن آگاہی سیمینارز کا انعقاد کیا۔ ان تمام سیمینارز میں ووٹرز کے کردار اور ووٹ کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ خواتین کی سیاسی عمل میں موثر شمولیت کے مختلف موضوعات کو شامل کیا گیا۔ الیکشن 2013 سے قبل منعقد کی جانے والی سرگرمیوں اور سیمینارز کے اثرات اور الیکشن کے بعد کی صورتحال کا ایک جائزہ لینے کے لئے ساؤتھ ایشیاء پارٹنر شپ پاکستان کی ریجنل ٹیم ملتان نے ضلع لیہ میں ایک سیمینار کا انعقاد کیا جسکا عنوان تھا "الیکشن کے بعد کی صورتحال اور خواتین کی حکومتی ایوانوں میں نمائندگی۔" ضلع کونسل ہال لیہ میں منعقد کی گئی اس تقریب میں خواتین کی ایک بڑی تعداد نے بھی شرکت کی۔ تقریب کے آغاز میں سب ریجنل کوآرڈینیٹر لیہ مہر زبیر نے آواز اور جوابدہی پروگرام کا مختصر سا تعارف پیش کیا۔ جس کے بعد معزز شرکاء کو اظہارِ خیال کی دعوت دی۔ پاکستان تحریک انصاف کی ضلعی نائب صدر ثوبیہ شاہین نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ آواز اور جوابدہی پروگرام نے ہمیں ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کیا ہے جس پر ہم نہ صرف اپنے خیالات کا تبادلہ کر سکتے ہیں بلکہ کوشش کریں تو ایک تحریک کی شکل بھی دے سکتے ہیں۔ الیکشن 2013 سے قبل جو سیمینار سیپ پاکستان کے ضلعی دفتر لیہ نے منعقد کروایا اسکے بہت ہی موثر نتائج برآمد ہوئے لوگوں خصوصاً خواتین میں نہ صرف حقِ رائے دہی کی اہمیت اجاگر ہوئی بلکہ اس نے ووٹنگ کی شرح بڑھانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ الیکشن کمیشن کے اعداد و شمار کے مطابق ضلع لیہ میں 68% سے زائد ووٹ کاسٹ کئے گئے اور بالخصوص خواتین ووٹرز میں سے 57% سے زائد خواتین نے اپنا حقِ رائے دہی استعمال کیا۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ہم خواتین کو مواقع فراہم کریں۔ ڈان نیوز کے رابطہ کار میجر فرید اللہ نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ "بڑے عرصے سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ عوامی حقوق اور شعوری آگاہی کی ایک منظم اور مربوط مہم کا آغاز کیا جائے جو کہ نہ صرف لوگوں کو شعور دے بلکہ معاشرے میں قیامِ امن اور خواتین کے لئے بہتری کی راہ پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو۔ آواز اور جوابدہی پروگرام اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ الیکشن 2013 سے قبل جو سیمینارز ضلع لیہ میں کروائے گئے اسکا ایک واضح فائدہ یہ ہوا کہ ضلع لیہ کے کسی بھی پولنگ سٹیشن پر لڑائی جھگڑا اور فساد نہیں ہوا اور نہ ہی اس دن کی کوئی ایسی ایف آئی آر درج کروائی گئی ہے۔ ضلع لیہ میں خواتین ووٹرز کی بھی ایک بڑی تعداد نے بڑھ چڑھ کر الیکشن میں حصہ لیا، خواتین اگر آبادی کا نصف ہیں تو سیاسی پارٹیوں کو بھی چاہئے کہ خواتین کو 50% ٹکٹ جاری کریں تا کہ وہ براہِ راست انتخاب کے ذریعے نہ صرف پارلیمنٹ کا حصہ بنیں بلکہ اپنے ساتھ ہونے والے غیر منصفانہ رویوں اور استحصال کے خاتمے کے لئے خود جدوجہد کریں اور موثر قانون سازی کر سکیں۔ میں یہاں موجودہ الیکشن کا ہی ایک دلچسپ واقعہ بیان کرنا چاہوں گا۔ ایک خاتون جو کہ الیکشن سے قبل ساؤتھ ایشیاء پارٹنرشپ پاکستان کی جانب سے منعقد کئے جانے والے سیمینار میں شریک ہوئی تھی وہ جب ووٹ ڈالنے کے لئے گئی تو پولنگ افسر نے اسکے انگوٹھے پر سیاہی کا نشان لگایا اور اسے کہا کہ آپکا ووٹ کاسٹ ہو گیا ہے، آپ جائیں، اس خاتون نے کہا ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ مجھے پرچی دو تا کہ میں ووٹ ڈال سکوں پولنگ افسران کے انکار پر اس نے شور و واویلا کیا۔ مزید خواتین اور موجود سیکورٹی والوں کی مداخلت پر پولنگ آفیسر کو نہ صرف بیلٹ پیپر دینا پڑا بلکہ اسکے بعد پولنگ کے خاتمہ تک وہاں کوئی ایسا واقع بھی رونما نہیں ہوا، یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے بلکہ خواتین کی آگاہی کے لئے منعقد کی جانے والی تقریبات اور کوششوں کا ثمر ہے، جس میں سیپ کا ایک اہم کردار ہے"۔ یونائیٹڈ ویلفیئر سوسائٹی کے سربراہ محبوب انتھونی نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ "میں بحیثیت نمائندہ اقلیتی آبادی کسی بھی طور پر اپنے آپ کو اکثریتی آبادی سے کم نہیں سمجھتا، تحریکِ پاکستان اور قیامِ پاکستان سے لے کر ہر موڑ پر اقلیتوں نے ہمیشہ نہ صرف اکثریتی آبادی کا ساتھ دیا ہے بلکہ جوانمردی سے ملک پر آنے والی ہر مصیبت کا ڈٹ کر سامنا کیا ہے۔ ہم بھی باقی تمام لوگوں کی طرح پکے اور سچے محبِ وطن شہری ہیں، میری تمام لوگوں سے یہ درخواست ہے جسے میں ایک شعر کی صورت میں پیش کرنا چاہوں گا۔ مل کر آج ہم کو ایک آواز ہونا چاہئے، اک انوکھے دور کا آغاز ہونا چاہئے، نئے نغمے نئے جذبے اور نئے ارمان ہوں، زندگی کا ایک نیا انداز ہونا چاہئے۔ ساؤتھ ایشیاء پارٹنر شپ پاکستان ملتان ریجن کے ریجنل کوآرڈینیٹر سلطان محمود صاحب نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ "ضلعی فورم کے تین بنیادی مقاصد ہیں ا۔ ہمارے پاس موجود معلومات کیا ہیں ۲۔ ان معلومات کا جائزہ، ۳ مستقبل کا لائحہ عمل اور اس کام کے مستقبل میں کیا اثرات ہوں گے۔ موجودہ الیکشن میں ووٹرز کی ایک کثیر تعداد نے اپنا حقِ رائے دہی استعمال کیا جس کی وجہ سے ووٹنگ کی شرح ماضی کے مقابلے میں 40%-38 سے بڑھ کر 55% کی بلند ترین سطح پر آ گئی۔ جو کہ بلاشبہ ایک خوش آئند بات ہے۔ 2013 کے عام انتخابات میں خواتین امیدواروں سے متعلق اعداد و شمار اور حقائق کچھ اس طرح رہے۔ 2013 کے انتخابات میں کل 516 خواتین نے حصہ لیا۔ 161 خواتین نے 105 حلقوں سے قومی اسمبلی کے لئے جبکہ 355 خواتین نے صوبائی اسمبلیوں کی 203 حلقوں سے امیدوار کی حیثیت سے انتخابات میں حصہ لیا۔ صرف 5 خواتین قومی اسمبلی اور صرف 9 خواتین پنجاب اور سندھ سے صوبائی اسمبلیوں کا حصہ بننے میں کامیاب ہوئیں۔ بدقسمتی سے خیبر پختونخواہ اور بلوچستان سے کوئی بھی خاتون کسی بھی اسمبلی کا انتخاب جیتنے میں کامیاب نہ ہوسکی۔ الیکشن میں کامیاب ہونے والی خواتین میں سے بیشتر کا تعلق معروف سیاسی خاندانوں سے ہے۔ 2008 کے مقابلے میں 29% زائد خواتین نے انتخاب میں حصہ لیا لیکن کامیاب ہونے والی خواتین کی شرح 2008 کے مقابلے میں 70% سے کم تھی۔ 21 پارٹیوں نے 66 خواتین کو قومی اسمبلی کے ٹکٹ جاری کئے جبکہ 95 خواتین نے آزاد امیدوار کی حیثیت سے انتخابات میں حصہ لیا۔ قومی اسمبلی کے 342 کے ایوان میں خواتین کی 60 مخصوص نشستیں ہیں۔ 2013 کے انتخابات میں قومی اسمبلی کی خواتین کی مخصوص نشستوں میں سے 35 مسلم لیگ ن، 7 پیپلز پارٹی، 6 تحریک انصاف، 4 ایم کیو ایم، 3 جمعیت علماء اسلام (ف) 1 جماعت اسلامی، 1 پختونخواہ ملی عوامی پارٹی، 1 مسلم لیگ فنکشنل اور ایک سیٹ پر پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ قائدِ اعظم کے مابین ٹاس پر فیصلہ ہوگا۔ اب ہمیں جیتنے والی پارٹیوں سے تقاضا کرنا ہے کہ انہوں نے جن وعدوں اور دعووں کو بنیاد بنا کر ہم سے ووٹ حاصل کئے ہیں اور کامیابی حاصل کی ہے اب ان وعدوں کی تکمیل کا وقت آ گیا ہے۔ اس مقصد کے لئے ہمیں پارٹیوں کی جانب سے جاری کئے جانے والے منشور اور پارٹیوں کے آئین سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے مطالبے پیش کرنا ہوں گے۔ مثال کے طور پر میں دو بڑی پارٹیوں (N) PML اور PTI کے آئین میں سے کچھ اقتباسات اور جائزہ آپکے سامنے رکھتا ہوں۔ مسلم لیگ ن کے آئین کے مطابق:

✤ اقلیتوں کو قومی دھارے میں شامل کرنے، انکے احساسِ محرومی کو ختم کرنے اور امن و ہم آہنگی کی فضاء قائم کرنے کے لئے ہر سال اقلیتوں کا ایک قومی دن منایا جائے گا۔ ✤ مزدور کی کم از کم اجرت 15000 روپے مقرر کی جائے گی، ✤ آئین کے آرٹیکل 140-A کے مطابق سیاسی، انتظامی اور مالیاتی اختیارات مقامی حکومتوں کو منتقل کئے جائیں گے اور 6 ماہ کے اندر مقامی انتخابات کروا دیئے جائیں گے۔ ✤ صحت کے شعبہ میں بجٹ 0.8 فیصد سے بڑھا کر 2 فیصد کر دیا جائے گا ✤ نیشنل ایجوکیشن ایمرجنسی نافذ کر کے ناخواندگی کا خاتمہ کر دیا جائے گا، قانون سازی کر کے مڈل کی سطح پر 100 فیصد میٹرک کی سطح پر 80 فیصد کی شرح سے بچوں کا سکولوں میں داخلہ یقینی بنایا جائے گا۔

پاکستان تحریکِ انصاف کے آئین کا مختصر جائزہ:

✤ وزراء کی تعداد 17 ہوگی، ✤ حکومتی اخراجات میں ہنگامی حالت نافذ کر کے کمی کی جائے گی ✤ مفت اور رعائتی پلاٹوں کی تقسیم بند کر دی جائے گی ✤ کسی بھی رکن اسمبلی کے لئے کوئی صوابدیدی فنڈ نہیں رکھا جائے گا، ✤ ارکان اسمبلی کے لئے کوئی ترقیاتی فنڈ نہیں رکھا جائے گا اور نہ ہی انہیں تقسیم کیا جائے گا۔ ✤ صحت کے شعبہ میں بجٹ 2.6 فیصد کر دیا جائے گا۔ ✤ ماں اور بچے کی صحت کے حوالے سے MDG اہداف حاصل کئے جائیں گے اور خواتین کو قانون سازی کے ذریعے تولید صحت اور افزائش سے متعلق فیصلہ سازی کا حق دیا جائے گا ✤ تعلیم کا بجٹ 2% سے بڑھا کر 5% کی شرح پر لایا جائے گا اور یہ اضافہ پانچ سال میں پانچ گنا ہو گا۔ ✤ خواتین کی طبی، قانونی اور معاشی رہنمائی کے لئے یونین کونسل کی سطح پر خواتین مراکز "انصاف گاہ" قائم کئے جائیں گے ✤ بقیہ: صفحہ(۵)

> ایک خاتون جو کہ الیکشن سے قبل ساؤتھ ایشیاء پارٹنرشپ پاکستان کی جانب سے منعقد کئے جانے والے سیمینار میں شریک ہوئی تھی وہ جب ووٹ دالنے کے لئے گئی تو پولنگ افسر نے اسکے انگوٹھے پر سیاہی کا نشان لگایا اور اسے کہا کہ آپکا ووٹ کاسٹ ہوگیا ہے آپ جائیں، اس خاتون نے کہا ایسے کیسے؟ مجھے پرچی دو تا کہ میں ووٹ ڈال سکوں پولنگ افسران کے انکار پر اس نے شور و واویلا کیا مزید خواتین اور موجود سیکورٹی والوں کی مداخلت پر پولنگ آفیسر کو نہ صرف بیلٹ پیپر دینا پڑا بلکہ اسکے بعد پولنگ کے خاتمہ تک وہاں کوئی ایسا واقع بھی رونما نہیں ہوا، یہ کوئی معمولی واقع نہیں ہے

نوٹ: قارئین سے گزارش ہے کہ چانن کے لئے اپنی تحریریں (ان پیج) ٹائپ کر کے اور مضمون کی شکل میں بھیجیں۔۔۔ ادارے کا مضمون نگاروں کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

رابطہ کیلئے: ایڈیٹر ماہنامہ چانن ساؤتھ ایشیاء پارٹنرشپ، پاکستان، حبیب میموریل ٹرسٹ بلڈنگ، ناصر آباد، ۲ کلومیٹر رائیونڈ روڈ، ٹھوکر نیاز بیگ، لاہور-53700، پاکستان
فون: 06-05 ,03-35311701 (42)، فیکس: 35311710 (42) ای میل: info@sappk.org
ایڈیٹر: یاسمین فرخ Email:yasmeen@sappk.org
کمپیوٹر لے آؤٹ تبسم شہزاد
سپرویژن، لے آؤٹ، ڈیزائننگ، فوٹوگرافی اینڈ پرنٹنگ محبوب علی